مارکس اور اینگلز کے خطوط

فہرست:

آنکوف کے نام مارکس کا خط۔28 دسمبر 1846

ویدیمیر کے نام مارکس کا خط۔5 مارچ 1854

کوگیلمان کے نام مارکس کا خط۔12 اپریل 1871

کوگیلمان کے نام مارکس کا خط۔17 اپریل 1871

بولٹے کے نام مارکس کا خط۔23 نومبر 1871

بیبل کے نام اینگلز کا خط۔2 جون 1873

بلوس کے نام مارکس کا خط۔10 نومبر 1877

کاؤتسکی کے نام اینگلز کا خط۔12 ستمبر 1882

شمیدت کے نام اینگلز کا خط۔5 اگست 1890

بیونگلک کے نام اینگلز کا خط۔21 اگست 1890

بلوخ کے نام اینگلز کا خط۔21 ستمبر 1890

شمیدت کے نام اینگلز کا خط۔27 اکتوبر 1890

میرنگ کے نام اینگلز کا خط۔14 جولائی 1893

بورگیس کے نام اینگلز کا خط۔25 جنوری 1894

پیرس میں مقیم آئینکوف کے نام

مارکس کا خط

برسلز،

28دسمبر1846

محترم آئینکوف صاحب!

آپ کو اپنے یکم نومبر کے خط کا جواب بہت پہلے گیا ہوتا لیکن میرے کتب فروش نے مجھے پرودھوں صاحب کی کتاب "افلاس کا فلسفہ "ابھی پچھلے ہفتے بھیجی ہے۔ میں نے اس کو دو دن میں پڑھ ڈالا تا کہ آپ کو اس کے بارے میں فوراً اپنی رائے لکھ سکوں۔ چونکہ میں نے کتاب بڑی عجلت میں پڑھی لے اس لئے میں تفصیلات میں نہیں جاسکتا اور صرف ان عام تاثرات کے بارے میں آپ کو بتا سکتا ہوں جو مجھ پر ہوئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں دوسرے خط میں اس کے بارے میں تفصیل سے لکھ سکتا ہوں۔

بغیر کسی تامل کے یہ کہتا ہوں کہ یہ کتاب مجموعی طور پر خراب اور بہت خراب ہے۔ آپ خود اپنے خط میں "جرمن فلسفے کے اس چیتھڑے" پر ہنستے ہیں جس کی نمائش پرودھوں صاحب نے اپنی اس بے ڈھنگی اور بلند بانگ تصنیف میں کی ہے لیکن آپ کا خیال ہے کہ ان کی معاشی دلیل کو فلسفے کے زہر نے نہیں بگاڑا ہے۔ میر بھی ایسا ہی خیال ہے کہ معاشیات کی تحقیقات مین پرودھوں صاحب کی جو غلطی ہے اس کا سبب ان کا فلسفہ نہیں ہے۔ برودھوں صاحب سیاسی معیشت کی جھوٹی تنقید پیش کرتے ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ ایک لغو فلسفیانہ نظرئے کے حامی ہیں بلکہ وہ لغو فلسفیانہ نظریہ پیش کرتے ہیں اس لئے کہ وہ آج کے سماجی نظام کو اس کے engre'nement یعنی جزویات میں (اگر یہ لفظ) استعمال کیا جائے جو اور بہت سی باتوں کی طرح پرودھوں نے فورئے سے لیا ہے) نہیں سمجھتے۔

پرودھوں صاحب خدا یعنی عقل کل، انسانیت کی ایسی غائبانہ عقل کے بارے میں کیوں باتیں بناتے ہیں، جو کبھی غلطی نہیں کرتی جو تمام ادوار میں لاجواب رہی ہے اور جس کے بارے میں کسی کو صرف صحیح تصور کی ضرورت ہے تا کہ سچائی کو جانا جا سکے؟ وہ اپنے کو دلیر مفکر ظاہر کرنے کے لئے کمزور ہیگلین ازم کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟

وہ خود ہی آپ کو اس بیماری کی تشخیص فراہم کرتے ہیں۔ جناب پرودھوں تاریخ میں سماجی ترقیوں کا ایک سلسلہ دیکھتے ہیں، وہ تاریخ میں ترقی پاتے ہیں اور آخر میں وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ، افراد کی حیثیت سے، یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور وہ خود اپنی تحریک کے بارے میں غلطی پر تھے یعنی پہلی نظر میں تو ان کی سماجی ترقی

ان کی انفرادی ترقی سے ممیّز، علحدہ اور کودمختار معلوم ہوتی ہے۔ وہ ان واقعات کی وضاحت نہیں کر سکتے، اسی لئے عقل کل کے مفروضے کا ظہور بہت آسان ہوتا ہے۔ جب عام فہم وضاحت مشکل ہوتی ہے تب پراسرار اسباب کی اختراع یعنی بے معنی فقرے گھڑ لینے سے زیادہ آسان اور کوئی کام نہیں ہے۔

لیکن جب پرودھوں صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ انسانیت کے تاریخی ارتقا کے بارے میں کچھ نہیں سمجھتے (وہ اس کو خدا اور عقل کل وغیرہ جیسے بلند بانگ الفاظ استعمال کر کے تسلیم کرتے ہیں) تو کیا وہ اشارتاً اور لازمی طور پر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ معاشی ارتقا کو سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے؟

سماج، خواہ اس کی شکل جو بھی ہو، کیا ہے؟ وہ انسانوں کے باہمی اقدام کا نتیجہ ہے۔ کیا لوگ سماج کی ایک یا دوسری شکل کا انتخاب کرنے کے لئے آزاد ہیں؟ نہیں کسی طرح نہیں۔ انسان کی پیداواری طاقتوں کے ارتقا میں کسی بھی مرحلے کو لیجئے، آپ کو لین دین (commerce) اور کھپت کی مخصوص شکل مل جائے گی۔ پیداوار، لین دین اور کھپت کے ارتقا میں کسی خاص کر مرحلے کو لیجئے، آپ کو خاص سماجی ساخت، طبقات، حلقوں اور خاندان کی خاص تنظیم یعنی ایک مخصوص انسانی سماج ضرور مل جائے گا۔ کسی خاص سماج کو لے لیجئے اور آپ کو ایک خاص سیاسی نظام مل جائیگا جو سماج کا صرف سرکاری اظہار ہے۔ پرودھوں صاحب یعنی سماج کے سرکاری چنیدہ لوگوں کی طرف سے سماج کو اپیل کر کرے اپنے خیال میں بڑا کام کر رہے ہیں۔

یہ بات کہنا زائد از ضرورت ہے کہ لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کا (جو ان کی ساری تاریخ کی بنیاد ہیں) انتخاب کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں کیونکہ ہر پیداواری طاقت ایک حاصل کی ہوئی طاقت ہے جو پچھلی نسل کی سرگرمیوں کا پھل ہے۔ اس طرح پیداواری طاقتیں انسان کی عملی قوت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہ قوت خود پابند ہوتی ہے ان حالات کی جن میں لوگ اپنے کو پاتے ہیں اور ان پیداواری طاقتوں کی جو حاصل کی جا چکی ہیں، اس سماجی ڈھانچے کی جس کا وجود ان لوگوں سے پہلے ہو چکا ہوتا ہے اور جس کو وہ نہیں پیدا کرتے بلکہ ان سے پہلی والی نسل پیدا کرتی ہے۔ اس سیدھے سادے واقعہ کی بنا پر کہ ہر آنے والی نسل ان پیداواری طاقتوں کی مالک ہوتی ہے جو پچھلی نسل نے حاصل کی تھیں اور جو اس کے لئے نئی پیداوار کے واسطے خام اشیا کا کام دیتی ہیں، تاریخ انسانی میں ایک ربط پیدا ہو جاتا ہے اور انسانیت کی تاریخ واضح شکل اختیار کر لیتی ہے مزید برآں جوں جوں ہی زیادہ انسانیت کی تاریخ ہوتی جاتی ہے جتنا انسان کی پیداواری طاقتوں اور اس کے سماجی تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے کہ انسانوں کی سماجی تاریخ ان کے انفرادی ارتقا کی تاریخ کے سوا اور کچھ نہیں ہے خواہ وہ اس کا شعور رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ ان کے مادی تعلقات ان کے سارے تعلقات کی بنیاد ہیں یہ مادی تعلقات وہ ضروری شکلیں ہیں جن کے اندر انسانوں کی مادی اور انفرادی سرگرمی ہوتی ہے۔

پرودھوں صاحب خیالات اور اشیا کو گڈ مڈ کرتے ہیں۔ لوگ اس سے کبھی دستبردار نہیں ہوتے جن پر انہوں نے قابو حاصل کر لیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس سماجی ڈھانچے کو نہیں چھوڑیں گے جس کے تحت انھوں نے کچھ پیداواری طاقتیں حاصل کی تھیں۔ اس کے برعکس، حاصل شدہ نتائج کو کھونے اور تہذیب کے پھلوں سے دست بردار ہوتے سے بچنے کے لئے وہ اسی لمحے اپنے یہاں رائج شدہ سماجی ڈھانچوں کو بدلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جب ان کے لین دین کے طریقے (commerce) حاصل شدہ پیداواری طاقتوں کے مطابق نہیں رہتے۔ میں یہاں لفظ commerce اس کے وسیع ترین معنی میں استعمال کر رہا ہوں جیسیہم لفظ Verkehr جرمن زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً مراعات، گلڈوں اور کارپوریشنوں کی تنظیم اور قرون وسطی کے ضابطوں کا پورا نظام ایسے سماجی تعلقات تھے جو حاصل شدہ پیداواری طاقتوں سے اور اس سماجی نظام سے جو پہلے تھا اور جس سے یہ ادارے پیدا ہوئے تھے، واحد طور پر مطابقت رکھتے تھے۔ گلڈوں کے ضابطوں کی حکومت کے تحفظ میں سرمایہ اکٹھا ہوا، سمندر پار کی تجارت کو فروغ دیا گیا اور نو آبادیاں بنائی گئیں۔ لیکن لوگ اس کے پھلوں سے محروم رہتے اگر یہ کوشش کرتے کہ وہ ڈھانچے برقرار رہیں جن کی حفاظت میں یہ پھل پکے تھے۔ اسی لئے دو طوفان پھوٹ پڑے۔ یہ تھے 1640 اور 1688 کے انقلاب۔ انگلستان میں سارے پرانے معاشی ڈھانچے، ان سے مطابقت رکھنے والے سماجی تعلقات اور وہ سیاسی نظام جو پرانے سماج کا سرکاری اظہار تھا، یہ سب تباہ ہو گئے۔ اس طرح وہ معاشی ڈھانچے جن کے تحت لوگ پیداوار کرتے ہیں، اس کا استعمال اور تبادلہ کرتے ہیں تغیر پذیر اور تاریخی ہوتے ہیں نئے پیداواری طاقتیں حاصل کر کے لوگ پیداوار کا طریقہ بدل دیتے ہیں اور پیداواری طریقے کے ساتھ ساری معاشی تعلقات بھی جو ایک مخصوص طریقہ پیداوار کے لازمی تعلقات تھے۔

پرودھوں صاحب یہ بات نہیں سمجھے ہیں اور اس کا اظہار اس سے بھی کم کیا ہے۔ پرودھوں صاحب تاریخ کی حقیقی رفتار کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس کے بجائے وہ ایک فریب نظر یہ پیدا کر کے برخود غلط انداز میں اس کے جدلیاتی ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ وہ سترہویں، اٹھارویں یا انیسویں صدی کا ذکر ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی تاریخ تو تصور کے دھندلے قلمرو میں رہتی ہے اور زمان و مکان کی قید سے بہت بالاتر ہے۔ مختصر طور پر یہ تاریخ نہیں بلکہ ہیگلیائی کوڑا کباڑ ہے۔ یہ دینوی تاریخ، انسان کی تاریخ نہیں ہے بلکہ مقدس تاریخ، خیالات کی تاریخ ہے۔ ان کے خیال کے مطابق آدمی محض ایک آلہ کار ہے جس کو ابدی عقل یا خیال اپنے نشوونما کے لئے استعمال کرتا ہے۔ پرودھوں صاحب جن ارتقاؤں کا ذکر کرتے ہین وہ ان کی رائے میں ایسے ارتقا معلوم ہوتے ہیں کو مطلق خیال کی پراسرار گہرائیوں میں ہی تکمیل تک پہنچتے ہیں اگر آپ اس پراسرار زبان کا نقاب چاک کر دیں تو پتہ چلے گا کہ پرودھوں صاحب کی پیش کش وہ ترتیب ہے جس میں معاشی باتیں ان کے ذہن میں مرتب ہوتی ہیں میرے

لیئے آپ کے سامنے یہ ثابت کرنے میں مشکل نہ ہوگی کہ یہ ترتیب بہت ہی غیر منظّم ذہن کی پیداوار ہے۔

پرودہوں صاحب قدر پر ایک مقالے سے اپنی کتاب شروع کرتے ہیں جو ان کا بہت ہی من بھاتا موضوع ہے۔ میں آج اس مقالے کا جائزہ نہیں لونگا۔

ابدی عقل کی معاشی ارتقاؤں کا سلسلہ محنت کی تقسیم سے شروع ہوتا ہے۔ پرودہوں صاحب کے لئے محنت کی تقسیم بالکل معمولی بات ہے۔ لیکن کیا ذاتوں کا نظام محنت کی تقسیم کا ایک خاص طریقہ نہیں تھا؟ کیا گلڈوں کا نظام محنت کی تقسیم کا ایک اور طریقہ نہ تھا؟ اور کیا چھوٹی کارخانے داری کے نظام کے تحت (جو انگلستان میں 17 ویں صدی کے وسط میں شروع ہوتا ہے اور 18 ویں صدی کے آخری حصے میں ختم ہوتا ہے) محنت کی تقسیم بڑے پیمانے کی جدید صنعت کی محنت کی تقسیم سے بالکل مختلف نہیں ہے؟

پرودہوں صاحب حقیقت کو سمجھنے سے اتنے دور ہیں کہ وہ ایسی باتوں کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں جن کی طرف معمولی ماہرین معاشیات کی توجہ جاتی ہے۔ محنت کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے وہ عالمی منڈی کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ بہت اچھا! لیکن کیا، چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں، جب نوآبادیاں نہیں تھیں، جب یورپ کے لیے امریکہ کا وجود نہیں تھا اور مشرقی ایشیا کا وجود اس کے لیے صرف قسطنطنیہ کے ذریعے تھا، محنت کی تقسیم بنیادی طور پر اس سے مختلف نہ رہی ہوگی جو وہ سترہویں صدی میں تھی جب نوآبادیوں کو ترقی دی جا چکی تھی۔

اور یہی نہیں۔ کیا قوموں کی پوری اندرونی تنظیم، ان کے سارے بین اقوامی تعلقات ایک خاص قسم کی محنت کی تقسیم کے سوا کچھ اور ہیں؟ اور کیا ان سب کو محنت کی تقسیم میں تبدیلی کے ساتھ نہ بدلنا چاہیے؟

پرودہوں صاحب نے محنت کی تقسیم کے مسئلے کو اتنا کم سمجھا ہے کہ وہ شہروں اور دیہات کے درمیان اس علیحدگی کا ذکر بھی نہیں کرتے جو مثال کے لیے جرمنی میں نویں صدی سے بارہویں صدی تک ہوئی ہے۔ اس طرح پرودہوں صاحب کے لیے یہ علیحدگی ابدی قانون کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ وہ نہ تو اس کے آغاز سے ہی واقف ہیں اور نہ ہی اس کے ارتقا کے بارے میں جانتے ہیں۔ اپنی پوری کتاب میں وہ اس طرح لکھتے ہیں جیسے مخصوص طریقہ پیداوار کی یہ تخلیق تا حشر برقرار رہے گی۔ پرودہوں صاحب نے محنت کی تقسیم کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ محض اختصار ہے اور وہ بھی سطحی اور نامکمل اختصار ہے اس کا، جو اس سے پہلے آدم اسمتھ اور ہزاروں دوسرے کہہ چکے ہیں۔

دوسرا ارتقا مشینری ہے۔ محنت کی تقسیم اور مشینری کا تعلق پرودہوں صاحب کے لیے قطعی پراسرار ہے۔ محنت کی تقسیم کی ہر قسم اپنے مخصوص پیداواری آلات رکھتی ہے۔ مثلاً سترہویں صدی کے وسط اور اٹھارویں صدی کے وسط کے درمیان لوگ ہر چیز ہاتھ سے نہیں بناتے تھے۔ ان کے پاس آلات تھے اور وہ بھی کافی پیچیدہ جیسے کرگھے،

جہاز اور بیرم وغیرہ۔

اس طرح یہ سمجھنا قطعی فضول بات ہے کہ مشینوں کا وجود عام طور پر محنت کی تقسیم کا نتیجہ تھا۔

بر سبیل تذکرہ میں یہ بھی کہہ دوں کہ پرودھوں صاحب مشینری کے آغاز کے کی تاریخ کے بارے میں بہت کم سمجھے ہیں اور اس کے ارتقا کے بارے میں اس سے بھی کم۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ 1825 تک (جو پہلے عام بحران کا دور تھا) عام طور پر چیزوں کی مانگ بمقابلہ پیداوار کے زیادہ تیزی سے بڑھی اور منڈی کی ضرورتوں کا لازمی نتیجہ مشینری کا ارتقا ہوا۔ 1825 سے مشینری کی ایجاد اور استعمال مزدوروں اور مالکوں کے درمیان لڑائی کا نتیجہ تھے۔ لیکن یہ صرف انگلستان کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ جہاں تک یورپی قوموں کا سوال ہے تو وہ اپنی اندرونی منڈیوں اور عالمی منڈی دونوں میں انگلستان کے مقابلے کی وجہ سے مشینری کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئیں۔ اور آخر کار پھر شمالی امریکہ میں مشینری کا رواج دوسرے ملکوں کے ساتھ مقابلے اور کام کرنے والوں کی کمی دونوں کی وجہ سے ہوا یعنی شمالی امریکہ کی آبادی اور اس کی صنعتی ضروریات کے درمیان تناسب نہ تھا۔ ان واقعات سے ہی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ پرودھوں صاحب کس عقل و دانش کا مظاہرہ کرتے ہیں جب وہ مقابلے کے بھوت کو تیسرے ارتقا، مشینری کے تضاد کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

آخر کار، عام طور پر یہ کہنا بے عقلی کی بات ہوگی کہ مشینیں معیشت میں ایسی ہی حیثیت رکھتی ہیں جیسی کہ محنت کی تقسیم، مقابلہ، سود پر قرض۔

مشینری ویسا ہی کم معاشی درجہ رکھتی ہے جیسے ہل چلانے والا بیل۔ مشینری کا استعمال موجودہ زمانے میں ہمارے معاشی نظام کے تعلقات میں سے ایک ہے لیکن مشینری استعمال کرنے کا طریقہ بالکل الگ چیز ہے اور خود مشینری دوسری چیز۔ سفوف تو سفوف ہی رہتا ہے خواہ وہ آدمی کو زخمی کرنے کے لیے استعمال کیا جائے یا اس کے زخم کو مندمل کرنے کے لیے۔

پرودھوں صاحب تو اپنی حد سے گزر جاتے ہیں جب وہ مقابلے، اجارے داری، ٹیکس یا پولیس، تجارت کے توازن، قرض اور ملکیت کو اپنے دماغ میں اسی طرح ترتیب دینے کی کوشش کرتے ہیں جس ترتیب سے میں نے ان کو یہاں پیش کیا ہے۔ قرض دینے کے تقریباً سارے اداروں کو انگلستان میں اٹھارویں صدی کی ابتدا میں، مشینری کی ایجاد سے پہلے ترقی دی گئی تھی۔ پبلک قرض ٹیکسوں کو بڑھانے اور ان نئی مانگوں کو پورا کرنے کا ایک نیا طریقہ تھا جو بورژوازی کے برسر اقتدار آنے سے پیدا ہوئی تھیں۔

آخر میں، پرودھوں صاحب کے نظام میں آخری درجہ ملکیت پر مشتمل ہے۔ حقیقی دنیا میں اس کے برعکس ہے: محنت کی تقسیم اور پرودھوں صاحب کے دوسرے مدارج ایسے سماجی تعلقات ہیں جو مجموعی طور پر اس کی تشکیل

کرتے ہیں جو آج کل ملکیت کہلاتی ہے۔ان تعلقات سے الگ ہوکر بورژوا ملکیت ایک مابعدالطبیعاتی یا قانونی دھوکے کے سوااور کچھ نہیں رہتی۔ایک مختلف دور کی ملکیت یعنی جاگیردارانہ ملکیت بالکل مختلف سماجی تعلقات کے سلسلے کی پیداوار ہے۔پرودھوں صاحب ملکیت کوایک خودمختار چیز ثابت کر کے طریقے میں غلطی سے بھی متجاوز کر جاتے ہیں۔وہ صاف طور پر یہ دکھا دیتے ہیں کہ اس رابطے پر ان کی گرفت نہیں ہے جو بورژوا پیداوار کی شکلوں کے تاریخی اور تغیر پذیر کردار کو تاریخ کی پیدا کی ہوئی چیزیں نہیں سمجھتے، جو نہ تو ان کے آغاز کے بارے میں سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان کے ارتقا کے بارے میں، وہ محض ان پر ڈھرے کی تنقید کر سکتے ہیں۔

اسی لیے پرودھوں صاحب ارتقا کی وضاحت کے لیے من گھڑت باتوں کا سہارا لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ محنت کی تقسیم، قرض اور مشینری وغیرہ سب ان کے معینہ نظریے، مساوات کے نظریے کی خدمت کے لیے ایجاد کیے گئے ہیں۔ان کی وضاحت انتہائی بھولے پن کی ہے۔یہ چیزیں مساوات کے مفاد میں بنائی گئی تھیں لیکن بدقسمتی سے وہ مساوات کے خلاف پڑیں۔یہ ہے ان کی پوری دلیل۔دوسرے الفاظ میں وہ ایک دعویٰ بے دلیل پیش کرتے ہیں اور جب حقیقی ارتقا ہر قدم پر ان کے من گھڑت کی تردید کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہاں تضاد ہے۔آپ سے یہ بات چھپاتے ہیں کہ یہ تضاد کلی طور پر ان کے معینہ خیالات اور حقیقی تحریک کے درمیان ہے۔

پرودھوں صاحب، زیادہ تر اس وجہ سے کہ وہ تاریخی معلومات نہیں رکھتے، یہ نہیں دیکھ سکے کہ جب لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کو ترقی دیتے ہیں یعنی جب وہ رہتے سہتے ہیں تو ایک دوسرے سے خاص قسم کے تعلقات بڑھاتے ہیں اور یہ کہ پیداواری طاقتوں میں تبدیلی اور اضافے کے ساتھ ساتھ ان تعلقات کی نوعیت لازمی طور پر بدلتی جاتی ہے۔وہ یہ نہیں دیکھ سکے کہ معاشی مدارج ان حقیقی تعلقات کے صرف مجرد مظاہر ہیں اور ان تعلقات کے وجود تک حقیقی رہتے ہیں۔اسی لیے وہ بورژوا ماہرین معاشیات والی غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔جو ان معاشی مدارج کو ابدی قوانین سمجھتے ہیں نہ کہ ایسے تاریخی قوانین جو ارتقا کے کسی مخصوص تاریخی منزل، پیداواری قوتوں کی معینہ ترقی کے قوانین ہیں۔اسی لیے بجائے اس کے کہ پرودھوں صاحب سیاسی معاشی مدارج کو حقیقی، تغیر پذیر تاریخی سماجی تعلقات کے مجرد مظاہر سمجھیں وہ اپنے صوفیانہ اوندھے پن کی وجہ سے حقیقی تعلقات کو ان تجریدوں کی مجسم شکل سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ تجریدیں ایسے فارمولے ہیں جو اس دنیا کے آغاز سے خدا کے قلب میں خفیہ رہے ہیں۔

لیکن یہاں ہمارے نیک صفت پرودھوں صاحب بڑے دانش ورانہ بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔اگر یہ تمام معاشی مدارج خدا کے قلب سے ظہور میں آئے ہیں اور انسان کی پنہاں اور ابدی زندگی ہیں تو یہ کیسے ہوتا ہے

:اول، یہ کہ ارتقا جیسی چیز کیوں ہے، دوسرے، یہ کہ کیا پرودھوں صاحب قدامت پرست نہیں ہیں؟ وہ ان نمایاں تضادوں کی وضاحت متضاد باتوں کے ایک پورے سسٹم کے ذریعے کرتے ہیں۔ ان متضاد یاتوں کے سسٹم پر روشنی ڈالنے کے لیے ہم ایک مثال پیش کریں گے۔

اجارے داری اچھی چیز ہے کیونکہ یہ ایک معاشی درجہ ہے اور اس لیے اس کا ظہور خدا سے ہوا ہے۔ مقابلہ بھی اچھی چیز ہے کیونکہ یہ بھی ایک معاشی درجہ ہے۔ لیکن اجارے داری کی حقیقت اور مقابلے کی حقیقت اچھی نہیں ہیں۔ اور اس سے بھی بری بات یہ ہے کہ مقابلہ اور اجارے داری ایک دوسرے کو نگل جاتے ہیں، تو پھر کیا کیا جائے؟ چونکہ خدا کے یہ دونوں ابدی خیالات ایک دوسرے کی کاٹ کرتے ہیں اس لیے پرودھوں صاحب کے لیے یہ بات صاف ہے کہ خدا کے سینے میں بھی ان دونوں کا امتزاج ہے، جس میں اجارے داری کی برائیوں کو مقابلہ متوازن رکھتا ہے اور اسکے برعکس بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ دو خیالوں کے درمیان جدوجہد کی وجہ سے صرف ان کا اچھا رخ سامنے آتا ہے۔ اس پراسرار خیال کو خدا سے چھین کر استعمال کرنا چاہیے اور پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس امتزاجی فارمولے کا جو انسان کے غیر شخصی شعور کی تاریکیوں میں چھپا ہوا ہے انکشاف کر دینا چاہیے۔ پرودھوں صاحب انکشاف کرنے والے کی حیثیت سے سامنے آنے میں ایک لمحہ کے لیے بھی باک نہیں کرتے۔

لیکن ایک لمحے کے لیے حقیقی زندگی کو دیکھیے۔ موجودہ زمانے کی معاشی زندگی میں آپ نہ صرف مقابلہ اور اجارے داری پاتے ہیں، جو کوئی فارمولا نہیں۔ تحریک ہے، اجارے داری مقابلے کو جنم دیتی ہے اور مقابلہ اجارے داری کو۔ لیکن یہ مساواتی مشق موجودہ حالات کی دشواریوں کو دور کرنے کے بجائے (جیسا کہ بورژوا ماہرین معاشیات کا خیال ہے) ایسی صورت حال پیدا کر دیتی ہے اور زیادہ مشکل اور گڈمڈ ہوتی ہے۔ اس لیے اگر وہ بنیاد بدل دی جائے جس پر موجودہ زمانے کے معاشی تعلقات قائم ہیں، اگر پیداوار کے موجودہ طریقے بدل دیے جائیں تو نہ صرف مقابلہ، اجارے داری اور ان کا تضاد ختم ہو جائے گا بلکہ ان کا اتحاد، ان کا امتزاج یعنی وہ تحریک بھی ختم ہو جائے گی جو مقابلے اور اجارے داری میں حقیقی توازن رکھتی ہے۔

اب میں آپ کے سامنے پرودھوں صاحب کی جدلیات کی ایک مثال پیش کرونگا۔

آزادی اور غلامی متضاد ہیں۔ مجھے نہ تو آزادی کی خوبیوں اور برائیوں کے بارے میں کہنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی غلامی کی برائیوں کے بارے میں، صرف اس کے اچھے رخ کی وضاحت کرنی ہے۔ ہم بالواسطہ غلامی یا پرولتاریہ کی غلامی کو نہیں لے رہے ہیں بلکہ براہ راست سیاہ نسلوں کی غلامی کو، جو کہ سوری نام، برازیل اور شمالی امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں ہے۔

آج کل براہ راست غلامی ہماری صنعت کاری کی اسی طرح بنیاد ہے جس طرح مشینری اور قرض وغیرہ۔

غلامی کے بغیر کپاس نہیں اور کپاس کے بغیر جدید صنعت نہیں ہے۔ غلامی نے نوآبادیوں کی قدر و قیمت بڑھائی ہے، نوآبادیوں نے عالمی تجارت کو جنم دیا ہے اور عالمی تجارت بڑے پیمانے کی مشین کا رصنعت کی ضروری شرط ہے۔ غلاموں کی شکل میں نیگروؤں کی خرید و فروخت شروع ہونے سے پہلے نوآبادیاں پرانی دنیا کو صرف چند صنعتی چیزیں فراہم کرتی تھیں اور کرۂ ارض کے حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی تھی اس طرح غلامی اعلیٰ اہمیت رکھنے والا معاشی درجہ ہے۔ غلامی کے خاتمے کا مطلب ہوگا دنیا کے نقشے سے امریکہ کو مٹا دینا۔ اور اسی لئے کہ غلامی ایک معاشی درجہ ہے، ہمیں وہ ہر قوم میں دنیا کے آغاز سے ملتی ہے۔ جدید قومیں اپنے ملکوں کی غلامی کو بھیس بدل کر چھپانا جانتی ہیں جبکہ وہ اس کو نئی دنیا میں اعلانیہ درآمد کرتی ہیں۔ غلامی کے باری میں یہ باتیں کہنے کے بعد ہمارے لائق پرودھوں صاحب کیسے آگے بڑھیں گے؟ وہ آزادی اور غلامی کے درمیان امتزاج، غلامی اور آزادی کے درمیان سنہرا اوسط یا توازن تلاش کریں گے۔

پرودھوں صاحب نے اس واقعہ کو تو بہت اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ لوگ کپڑا، کتان اور ریشم بناتے ہیں اور یہ قابل تعریف بات ہے کہ انھوں نے یہ چھوٹی سی بات سمجھ لی ہے! لیکن جو بات وہ نہیں سمجھے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کے مطابق سماجی تعلقات بھی پیدا کرتے ہیں جنکے تحت وہ کپڑا اور کتان تیار کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی کم انہوں نے یہ بات سمجھی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے مادی پیداوار کے مطابق اپنے سماجی تعلقات پیدا کرتے ہیں وہ خیالات اور مدارج بھی پیدا کرتے ہیں یعنی انھی سماجی تعلقات کے مجرد اور معیاری مظاہر۔ اس لیے مدارج ان تعلقات سے زیادہ ابدی نہیں ہیں جن کا وہ اظہار کرتے ہیں۔ وہ تاریخی اور تغیر پذیر ہیں جب کہ پرودھوں صاحب کے لئے اس کے برعکس تجریدیں اور مدارج تاریخ ساز ہوتے ہیں۔ تجرید یا درجے کو اگر اصلی معنوں میں لیا جائے یعنی لوگوں اور ان کی ٹھوس سرگرمیوں سے الگ کر کے، تو وہ یقیناً لافانی، غیر تغیر پذیر اور غیر متحرک ہے۔ وہ خالص عقل کے وجد کی صرف ایک شکل ہے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ تجرید اپنی جگہ پر مجرد ہے۔ کیسی لاجواب تکرار معنی ہے۔

اس طرح پرودھوں صاحب معاشی تعلقات کو مدارج سمجھتے ہیں جو بلا کسی آغاز یا ارتقا کے ابدی فارمولے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں پرودھوں صاحب براہ راست یہ نہیں کہتے کہ بورژوا زندگی ان کے لئے ایک ابدی حقیقت ہے۔ وہ مدارج کی پرستش کر کے جو خیال کی شکل میں بورژوا تعلقات کا اظہار کرتے ہیں، اس بات کی تصدیق بالواسطہ کرتے ہیں۔ وہ بورژوا سماج کی تیار کی ہوئی چیزوں کو اچانک ظہور میں آنے والی ابدی ہستیاں سمجھتے ہیں جو ان کے دماغ میں مدارج کی شکل میں، خیال کی شکل میں آتے ہی جاندار ہو جاتی ہیں۔ اس طرح وہ بورژوا

افق سے اوپر نہیں اٹھتے۔ چونکہ وہ بورژوا خیالات کو لے کر سوچ رہے ہیں جن کی ابدی سچائی کو پہلے سے ہی مان لیتے ہیں، وہ ان خیالات کا امتزاج، توازن ڈھونڈتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ موجودہ طریقہ جس کے ذریعہ یہ خیالات توازن تک پہنچتے ہیں واحد ممکن طریقہ ہے۔

حقیقت میں وہ بھی وہی کرتے ہیں جو سب اچھے بورژوا لوگ کرتے ہیں وہ آپ سے کہتے ہیں کہ اگر اصولی طور پر یعنی مجرد خیالات کی حیثیت سے غور کیا جائے تو مقابلہ اور اجارے داری وغیرہ زندگی کی واحد بنیاد ہیں لیکن عملی طور پر ان میں بڑی کمی ہے۔ وہ سب مقابلہ تو چاہتے ہیں لیکن اس کے مہلک اثرات کے بغیر۔ وہ ایک ناممکن بات چاہتے ہیں یعنی بورژوا وجود کے حالات لیکن ان حالات کے لازمی نتائج کے بغیر۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ بورژوا طریقہ پیداوار تاریخی اور تغیر پذیر ہے جیسے جاگیردارانہ طریقہ تھا۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں بورژوا انسان ہی ہر سماج کی ممکن بنیاد ہوسکتا ہے۔ وہ ایسے سماج کا تصور ہی نہیں کر سکتے جس میں لوگ بورژوانہ رہیں۔

اسی لیے پرودھوں صاحب لازمی طور پر اصول پرست ہیں۔ ان کے خیال میں وہ تاریخی تحریک جو آج دنیا کو الٹ پلٹ کر رہی ہے دو بورژوا خیالوں کا صحیح توازن یا امتزاج دریافت کرنے کے مسئلے تک محدود ہوگئی ہے۔ اسی لئے یہ چالاک آدمی اپنی باریک بینی سے خدا کے پنہاں خیالات، دو الگ الگ خیالات کے اتحاد کا انکشاف کرتا ہے جو صرف اس لئے الگ الگ ہیں کہ پرودھوں صاحب نے ان کو عملی زندگی، موجودہ زمانے کی پیداوار سے الگ کر دیا ہے جو ان حقیقتوں کا مجموعہ ہے جن کا اظہار یہ خیالات کرتے ہیں۔ اس زبردست تاریخی تحریک کی جگہ جو لوگوں کی حاصل کی ہوئی پیداواری طاقتوں اور ان کے ایسے سماجی تعلقات کے درمیان تصادم سے پیدا ہوتی ہے جن کی مطابقت ان پیداواری طاقتوں سے ختم ہو جاتی ہے؛ ان خوفناک جگہ جن کی تیاری ہر قوم کے مختلف طبقوں کے درمیان اور مختلف قوموں کے درمیان ہو رہی ہے؛ کثیر تعداد عوام کے اس عملی اور انقلابی سرگرمی کی جگہ جس کے ذریعے ہی ایسے تصادموں کا حل ہوسکتا ہے_ اس وسیع، مسلسل اور پیچیدہ تحریک کی جگہ پرودھوں صاحب اپنے ذہن کی من مانی اختراعات (mouvement cacadouphin) پیش کرتے ہیں۔ اس طرح صاحبان علم تاریخ کی تخلیق کرتے ہیں، ایسے لوگ جو خدا کے خفیہ خیالات کو چرانا جانتے ہیں۔ عام لوگوں کو یہ انکشافات صرف اپنے استعمال میں لانے ہوتے ہیں۔

اب آپ سمجھ گئے ہوگے کہ پرودھوں صاحب ہر سیاسی تحریک کے علانیہ دشمن کوں ہیں؟ ان کے لئے موجودہ مسائل کا حل عوامی اقدام نہیں بلکہ ان کے اپنے دماغ کی جدلیاتی گردش ہے۔ چونکہ ان کے لئے مدارج ہی محرک طاقتیں ہیں اس لئے مدارج کو بدلنے کے لئے عملی زندگی کو بدلنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برعکس، بس

مدارج کو بدل دینا چاہئے اور اس کا نتیجہ موجودہ سماج میں تبدیلی ہوگی۔

تضادوں کو ہم آہنگ کرنے کے شوق میں پرودھوں صاحب یہ تک نہیں پوچھتے کہ کیا ان تضادوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے؟ وہ بالکل اس سیاسی اصول پرست کی طرح ہیں جو سماجی زندگی کے لازمی اجزا کی حیثیت سے، ابد مدارج کی حیثیت سے بادشاہ، ایوان نائبین اور دارالامرا رکھنا چاہتا ہو۔ بس وہ ایک نیا فارمولا تلاش کر رہا ہے جس کے ذریعے ان طبقوں کے درمیان توازن قائم کر سکے جن کا توازن ٹھیک اس تحریک پر مشتمل ہے جس میں ایک طاقت ابھی فاتح ہے اور ابھی دوسرے کی غلام ہے۔ اس طرح اٹھارہویں صدع میں بعض معمولی دماغ والوں نے ایسا فارمولا تلاش کرنے کی کوشش کی جو سماجی حلقوں، امرا، بادشاہ اور پارلیمنٹ وغیرہ میں توازن قائم کر سکے اور ایک صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو انھوں نے دیکھا کہ بادشاہ، پارلیمنٹ، امرا، سب غائب تھے۔ اس تضاد میں حقیقی توازن ان سماجی تعلقات کا خاتمہ تھا جو ان جاگیردارانہ ہستیوں اور ان کے تضادوں کے لئے بنیاد تھے۔

کیونکہ پرودھوں صاحب ابدی خیالات، خالص عقل کے مدارج کو ایک پلڑے میں اور انسانوں اور ان کی عملی زندگی کو جو ان کے خیال میں ان مدارج کا استعمال ہے دوسرے پلڑے میں رکھتے ہیں، اس لئے آپ کو ان کے یہاں ابتدا سے زندگی اور خیالات کے درمیان، روح اور جسم کے درمیان ایک ثنویت پسندی (dualism) نظر آتی ہے، ایسی ثنوئت جو بہت سی شکلوں میں بار بار ظاہر ہوتی ہے۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ تضاد پرودھوں صاحب کی اس نااہلی کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ان مدارج کا جن کی وہ پرستش کرتے ہیں، معمولی آغاز اور معمولی تاریخ نہیں سمجھتے۔

میرا خط اس کے لیئے کافی طویل ہو چکا ہے کہ میں اس فضول بکواس کے بارے میں کہوں جو پرودھوں صاحب نے کمیونزم کے خلاف کی ہے۔ فی الحال آپ میری یہ بات مان لیں گے کہ ایسے آدمی سے، جس نے سماج کی موجودہ حالت کو نہیں سمجھا ہے، اس کی اور کم توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اس تحریک کو سمجھے گا جو اس سماج کو الٹ دینے کے لئے ہے، اور انقلابی تحریک کے ادبی مظاہر کو سمجھے گا۔

واحد نکتہ جس پر میں پرودھوں صاحب سے قطعی متفق ہوں وہ جذباتی سوشلسٹ خوابوں سے ان کی نفرت ہے۔ میں ان سے پہلے اس جذباتی، یوٹوپیائی اور احمقانہ سوشلزم کا مذاق اڑا کر بہت دشمنی مول لے چکا ہوں۔ لیکن کیا پرودھوں صاحب اپنے کو عجیب طور سے دھوکہ نہیں دیتے جب وہ اپنی پیٹی بورژوا جذباتیت کو (میں خاندان، ازدواجی محبت اور اسی طرح کی معمولی سی باتوں کے بارے میں ان کی زوردار باتوں کا ذکر کر رہا ہوں) اس سوشلسٹ جذباتیت کے مدمقابل رکھتے ہیں جو مثال کے طور پر فورئے کے یہاں ہمارے لائق پرودھوں کے بلند بانگ دعووں سے کہیں زیادہ گہری ہے؟ پرودھوں صاحب خود اپنی دلیلوں کی تہی دامنی، ان چیزوں کے بارے میں

بات کرنے کی سخت نااہلی کا اتنا مکمل شعور رکھتے ہیں کہ اچانک وہ غصے میں ابل پڑتے ہیں، چیختے دہاڑتے ہیں اور راست بازانہ غیض وغضب کا اظہار کرتے ہیں۔ان کے منہ میں جھاگ آجاتا ہے، وہ گالیاں دیتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں، شرمناک اور خون خرابے کی باتیں کرتے ہیں اور سینہ کوبی کر کے خدا اور انسان کے سامنے یہ ڈینگ مارتے ہیں کہ وہ سوشلست جذباتیت سے پاک ہیں بلکہ ایسی چیزوں پر جنہیں وہ سوشلسٹ جذباتیت سمجھتے ہیں سنجیدہ تنقید نہیں کرتے۔ وہ کسی مقدس آدمی، پوپ کی طرح غریب گنہگاروں کو نکال باہر کرتے ہیں اور پیٹی بورژوازی اور گھربار کے سرقبیلی اور رومانی فریبوں کے گن گاتے ہیں۔اور یہ کوئی اتفاق کی بات نہیں ہے۔ پرودہوں صاحب سر سے پیر تک پیٹی بورژوا کے فلسفی اور معاشیات داں ہیں۔ترقی یافتہ سماج میں پیٹی بورژوا آدمی لازمی طور پر اپنی پوزیشن کی وجہ سے ایک طرف سوشلسٹ ہوتا ہے تو دوسری طرف معاشیات داں یعنی وہ بڑی بورژوازی کی شان وشوکت سے چندھیا جاتا ہے اور عام لوگوں کی مصیبتوں سے ہمدردی رکھتا ہے۔وہ بیک وقت بورژوا اور عوام کا آدمی ہوتا ہے۔اپنی دل کی گہرائیوں میں وہ اس کی داد دیتا ہے کہ وہ غیر جانبدار ہے اور اس نے وہ صحیح توازن پالیا ہے جو سنہرے اوسط سے مختلف ہونے کا دعوی رکھتا ہے۔ایسا پیٹی بورژوا آدمی تضاد کے گن گاتا ہے کیونکہ تضاد ہی تو اس کے وجود کی بنیاد ہے۔وہ خود اپنے عمل میں سماجی تضاد کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔اس کو اپنے کو تھیوری میں بھی وہی ثابت کرنا چاہئے جو وہ عمل میں ہے اور پرودہوں صاحب کو تو فرانسیسی پیٹی بورژوازی کا ترجمان ہونے کی عزت حاصل ہے جو ایک حقیقی عزت ہے کیونکہ پیٹی بورژوازی تمام آنے والے سماجی انقلابوں کا لازمی جز ہوگی۔

میں چاہتا تھا کہ اس خط کے ساتھ میں آپ کو سیاسی معاشیات پر اپنی کتاب (1) بھیجوں لیکن میں ابھی اس تصنیف اور جرمن فلسفیوں اور سوشلسٹوں پر اس تنقید کو (یہاں مارکس نے "جرمن آئیڈیالوجی" کا حوالہ دیا ہے) نہیں چھپوا سکا ہوں جس کا میں نے آپ سے پروسلز میں کیا تھا۔آپ یقین نہیں کریں گے کہ اس قسم کی اشاعت میں جرمنی میں ترنی مشکلات ہوتی ہیں، پہلے تو پولیس کی طرف سے اور پھر کتاب فروشوں کی طرف سے جو ان تمام رجحانات سے دلچسپی رکھنے والے نمائندے ہوتے ہیں جن پر میں حملے کرتا ہوں۔اور جہاں تک ہماری پارٹی کا سوال ہے وہ نہ صرف غریب ہے بلکہ جرمن کمیونسٹ پارٹی کا ایک بڑا حصہ مجھ سے ناراض ہے کیونکہ میں ان کے ہوائی قلعوں اور جوشیلی تقریروں کی مخالفت کرتا ہوں۔

فرانسیسی زبان میں لکھا ہوا یہ خط پہلی بار "استاسیو لیویچ اور ان کے ہم عصروں کی خط وکتابت" نامی کتاب میں شائع ہوا۔

نوٹس

1۔ یہاں "سیاست اور سیاسی معاشیات کی تنقید" کا ذکر ہے جس کا مارکس نے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ صفحہ 136

نیویارک میں مقیم ایوسیف ویڈیمیئر کے نام
مارکس کا خط

لندن،

5 مارچ، 1852

... اور جہاں تک میرا سوال ہے میں موجودہ سماج میں طبقات کے وجود یا ان کے درمیان جدوجہد کی دریافت کے لئے تعریف کا مستحق نہیں ہوں۔ مجھ سے بہت پہلے بورژوا مورخ اس طبقاتی جدوجہد کے تاریخی ارتقا کے بارے میں بیان کر چکے ہیں اور بورژوا ماہرین معاشیات نے طبقات کی معاشی ساخت کی تشریح کی ہے۔ میں نے یہ ثابت کر کے نئی بات کی: (1) کہ طبقات کا وجود پیداوار کے ارتقا میں صرف مخصوص تاریخی منزلوں سے مربوط ہے، (1) کہ طبقاتی جوجہد لازمی طور پر پرلتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی طرف لے جاتی ہے، (کہ یہ ڈکٹیٹرشپ خود صرف تمام طبقات کے خاتمے اور غیر طبقاتی سماج تک عبور پر مشتمل ہوتی ہے...

پہلی بار رسالہ Jungsozialistishw Blatter میں 1930 شائع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

1۔ یہاں "سیاست اور سیاسی معاشیات کی تنقید" کا ذکر ہے جس کا مارکس نے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔

ہانوور میں مقیم لوڈویگ کوگیلمان کے نام
مارکس کا خط

لندن،

12اپریل، 1871

۔۔۔ کل ہمیں یہ تشویش ناک خبر ملی کہ لافارگ (لاؤرا نہیں، لاؤرا (مارکس کی بیٹی، لافارگ کی بیوی) آج کل پیرس میں ہیں۔

اگر تم میری کتاب "18ویں برومیئر" کے آخری باب کو دیکھو تو اس میں میں نے یہ کہا ہے کہ فرانسیسی انقلاب کی دوسری کوشش پہلے کی طرح نوکر شاہی فوجی مشین کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں دینے کی نہیں بلکہ اس کو توڑ دینے کی ہوگی اور براعظم یورپ میں ہر حقیقی عوامی انقلاب کے لیے یہ اولین شرط ہے۔ اور ہمارے جری پارٹی کامریڈ پیرس میں اس کے لیے کوشاں ہیں ان پیرس والوں میں کیسا لوچ، کیسی تاریخی پیش قدمی اور قربانی کی صلاحیت ہے۔ چھ مہینے کی بھکماری اور تباہی کے بعد، جس کا سبب بیرونی دشمن سے زیادہ اندرونی غداری تھی، وہ پروشیائی سنگینوں کے نیچے سے اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جیسے فرانس اور جرمنی کے درمیان کبھی جنگ نہیں ہوئی تھی اور دشمن اب پیرس کے پھاٹکوں پر نہیں ہے! تاریخ میں اس عظمت کی مثال نہیں ملتی! اب اگر ان کو شکست ہوجائے تو یہ ان کی "نیک طبیعت" کی خطا ہوگی۔ جب جنرل وینوا اور اسکے بعد پیرس کے نیشنل گارڈ کا رجعت پرست حصہ پیرس سے بھاگے اس وقت ہی ان کو وارسائی پر چڑھائی کر دینی تھی۔ انہوں نے اس موقع کو محض اپنی دیانتداری کی وجہ سے کھو دیا۔ انہوں نے خانہ جنگی نہیں شروع کرنی چاہی، جیسے کہ بدمعاش حرام زادہ تیئر پیرس کو نہتا کرنے کے لیے خانہ جنگی شروع نہیں کر چکا تھا۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ کمیون کو جگہ دینے کے لیے مرکزی کمیٹی (1) اپنے اختیارات سے بہت جلدی دست بردار ہوگئی۔ یہ بھی حد سے زیادہ ہی "باعزت" دیانت داری تھی۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو، پیرس کی موجودہ بغاوت (اگر اس کو پرانی سماج کے بھیڑیے، سور اور ذلیل کتے کچل بھی دیں) پیرس میں جون کی بغاوت کے بعد ہماری پارٹی کا سب سے شاندار کارنامہ ہے۔ ذرا آسمان پر دھاوا بولنے والے پیرس کے لوگوں کا مقابلہ اس جرمن پروشیائی مقدس رومن سلطنت کے آسمان کے غلاموں سے کرو جس کے دقیانوسی بہروپیوں سے فوجی بارکوں، چرچ، یونکری ذہنیت اور سب سے زیادہ تنگ نظری کی بو آتی ہے۔

نوٹ۔ لوئی بوناپارٹ کے خزانے سے براہ راست وظیفے پانے والوں کی سرکاری طور پر شائع شدہ فہرست میں ایک نوٹ ہے کہ فوگٹ نے اگست 1859 میں چالیس ہزار فرانک پائے۔ میں نے آئندہ استعمال کے لیے اس

کے بارے میں لیبکنیخت کو مطلع کر دیا ہے۔

تم مجھے ہیکس تھاسن (2) بھیج سکتے ہو کیونکہ پچھلے دنوں سے مجھے مختلف پمفلٹ وغیرہ نہ صرف جرمنی بلکہ پیٹرسبورگ سے ان مختلف اخباروں کا شکریہ جو تم نے بھیجے ہیں۔ مہربانی کر کے مجھے اور بھیجو کیونکہ میں جرمنی، رائخ ستاگ وغیرہ کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔

پہلی بار اختصار کے ساتھ رسالے

(Die Neue Zeit)Bd.I کے شمارے 23 اصل مسودے کے مطابق شائع ہوا اور پورا خط روسی زبان کی کتاب "مارکس کے خط کوگیلمان کے نام" میں 1928 میں شائع ہوا۔

نوٹس

1۔ پیرس کے نیشنل گارڈ کی مرکزی کمیٹی فروری 1871 میں بنائی گئی تھی۔ فرانس پروشیائی جنگ (71۔1870) کے دوران شہر پیرس کے محاصرے کی حالت میں نیشنل گارڈ میں جمہوری خیالات رکھنے والے کثیر تعداد عوام شامل ہو گئے۔ مرکزی کمیٹی نے 18 مارچ 1871 کی بغاوت کی رہنمائی کی اور 28 مارچ کو پیرس کمیون کے قیام تک تاریخ کی پہلی پرولتاری حکومت کی حیثیت سے کام کرتی رہی۔

2۔ یہاں ہیکس تھاسن کی کتاب

Uber den Ursprung und die Grundlagenden den Verfassung in den ehemals slavischen Landern Deutschlands im allgemeinen und des Herzogthums Pomer im besonderen

(جرمنی کے سابق سلاف علاقوں میں عموماً اور پومیرانیا کے ڈیوک کے ایسے علاقے میں خصوصاً برادری والے نظام کا آغاز اور بنیاد) کا ذکر ہے جو برلن سے 1842 میں شائع ہوئی۔

ہانوویر میں مقیم لوڈویگ کوگیلمان کے نام
مارکس کا خط

لندن،

17اپریل1871

تمہارا خط ملا۔آج کل میں بہت مصروف ہوں۔اس لیے صرف مختصر خط لکھ رہا ہوں۔میری سمجھ میں یہ بالکل نہیں آتا کہ تم 13جون1849(1) کے پیٹی بورژوا مظاہرے کا مقابلہ پیرس کی موجودہ جدوجہد سے کیسے کر سکتے ہو۔

عالمی تاریخ کی تشکیل بہت ہی آسان ہو جائے اگر جدوجہد مخصقطعی سازگار مواقع کی شرط پر کی جائے۔ دوسری طرف یہ بھی ایک پرسرار بات ہوگی اگر "اتفاقات" کا کوئی رول ہی نہ ہو۔یہ اتفاقات قدرتی طور پر ارتقا کے عام دھارے کا نمایاں حصہ ہوتے ہیں اوران کا توازن دوسرے اتفاقات سے ہوتا ہے۔لیکن تعجیل وتاخیر کا بہت کچھ انحصار ایسے ہی "اتفاقات" پر ہے جن میں تحریک کی پہلے پہل سربراہی کرنے والے لوگوں کے کردار کا"اتفاق" بھی شامل ہے۔

اس بار فیصلہ کن ناسازگار "اتفاق" کو کسی طرح بھی فرانسیسی سماج کے عام حالات میں تلاش کرنا چاہیے بلکہ فرانس میں پروشیا والوں کی موجودگی میں ڈھونڈھنا چاہیے جن کی فوج ٹھیک پیرس کے سامنے کھڑی ہے۔اس بات کو پیرس والے بخوبی سمجھتے تھے۔لیکن اس کے بارے میں وارسائی کے عیار بورژوا لوگ بھی جانتے تھے۔اسی لیے توانہوں نے پیرس والوں کے سامنے یہ انتخاب رکھا کہ یا تو وہ لڑائی کو لبیک کہیں یا بغیر لڑے اطاعت قبول کر لیں۔مئوخرالذکر صورت میں مزدور طبقے کے حوصلے پست ہونا"لیڈروں" کی کسی بھی تعداع کے خاتمے سے کہیں زیادہ بڑی مصیبت ہوتی۔سرمایہ دار طبقے اوراسکی ریاست کے خلاف مزدور طبقے کی جدوجہد پیرس کمیون کی بدولت ایک نئی منزل میں داخل ہوگئی ہے۔اس کا فوری نتیجہ جو بھی ہولیکن ایک نیا ابتدائی نقطہ حاصل کرلیا گیا ہے جو عالمی اہمیت کا حامل ہے۔

پہلی بار اختصار کے ساتھ رسالے (Die Neue Zeit) کے شمارہ 23،اشٹوٹ گارٹ میں 2-1901 میں شائع ہوااور پورا خط روسی زبان کی کتاب "مارکس کے خطوط کوگیلمان کے نام" میں 1928 میں چھاپا گیا۔

نوٹس

1 ۔13 جون1849 کو پیرس میں مونٹین (پہاڑی) نامی پیٹی بورژوا پارٹی نے اس کے خلاف ایک پرامن احتجاجی مظاہرہ کیا کہ اٹلی میں انقلاب کو دبانے کے لئے فرانسیسی سپاہی بھیجے جا رہے تھے۔اس مظاہرے کوفوجیوں نے منتشر کر دیا۔مونٹین کے بہت سے لیڈر جلاوطن کر دئے گئے یا فرانس چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔صفحہ 139

نیویارک میں مقیم فریڈرک بولٹے کے نام
مارکس کا خط

لندن،

23نومبر 1871

...سوشلسٹ اور نیم سوشلسٹ فرقوں کی جگہ مزدور کی جدوجہد کے لیے ایک حقیقی تنظیم انٹرنیشنل کی بنیاد رکھی گئی تھی ۔ابتدائی "قواعد" ("انٹرنیشنل ورکنگ مینس ایسوسی ایشن کے عارضی قواعد "جو مارکس نے مرتب کیے تھے۔)اور "تاسیسی مینی فسٹو" ("انٹرنیشنل ورکنگ میز ایسوسی ایشن کا تاسیسی مینی فسٹو "جو مارکس نے تیار کیا تھا۔) فوراً ہی اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔دوسری طرف انٹرنیشنل اپنے کو نہیں قائم رکھ سکتی اگر تاریخ کے دھارے نے فرقہ واریت کو توڑ پھوڑ کر نہ رکھ دیا ہوتا۔سوشلسٹ فرقہ واریت اور مزدور طبقے کی حقیقی تحریک کا ارتقا ہمیشہ ایک دوسرے کے الٹے ہوتے ہیں۔فرقوں کا وجود تاریخی لحاظ سے اس وقت تک بجا ہے جب تک کہ مزدور طبقہ ایک آزاد تاریخی تحریک کے لئے پختہ نہیں ہوتا۔جیسے ہی وہ اس پختگی تک پہنچتا ہے سارے فرقے لازمی طور پر رجعت پرست ہو جاتے ہیں تاہم تاریخ جو کچھ ہر جگہ دکھاتی ہے وہی انٹرنیشنل کی تاریخ میں بھی ہوا۔پرانی چیزیں نئی حاصل شدہ شکل میں پھر اپنے پیر جمانے اور اپنی پوزیشن قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

انٹرنیشنل کی تاریخ بھی ان فرقوں اور اناڑی تجربوں کے خلاف جنرل کونسل کی متواتر جدوجہد ہے جو انٹرنیشنل کے اندر گھس کر مزدور طبقے کی حقیقی تحریک کا مقابلہ کر کے اپنا اثر بڑھانے کے لئے کوشاں تھے۔یہ جدوجہد

کانگرسوں میں کی گئی لیکن اس سے زیادہ جنرل کونسل اور الگ الگ فرقوں کے درمیان خفیہ بات چیت کے ذریعے ہوئی۔

چونکہ پیرس میں پرودھوں کے حامی۔ mutualists (1) ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالنے میں شریک تھے اس لئے قدرتی طور پر پہلے چند برسوں میں باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں رہی۔ بعد میں وہاں ان کے مقابلے میں کولیکٹیو یسٹ (اجتماعیت پسند)، پوزیٹیو یسٹ (ثبوتیت پسند وغیرہ گروہ پیدا ہو گئے۔

جرمنی میں لاسال کا گروہ تھا۔ میں خود دو سال تک بدنام زمانہ شویئٹسر کے ساتھ خط و کتابت کرتا رہا اور اس پر نا قابل تردید طور سے یہ بات ثابت کر دی کہ لاسال کی تنظیم محض فرقہ ورانہ تنظیم تھی اور اسی وجہ سے وہ مزدوروں کی حقیقی تحریک کے خلاف تھی جس کے لئے انٹرنیشنل کوشاں ہے۔ لیکن اس کو نہ سمجھنے کے لئے شویئٹسر کے پاس اپنے "اسباب" تھے۔

1868 کے آخر میں روسی باکونین اس مقصد سے انٹرنیشنل میں شامل ہوا کہ اس کے اندر " سوشل ڈیموکریسی کا اتحاد" (2) کے نام سے جس کا وہ خود لیڈر رہو، دوسری انٹرنیشنل بنائے۔ یہ آدمی نظریاتی معلومات سے قطعی عاری تھا اور یہ دعوی کرتا تھا کہ وہ اس علیحدہ تنظیم میں انٹرنیشنل کا سائنسی پروپیگنڈا کرے گا اور اس پروپیگنڈے کو انٹرنیشنل کے اندر دوسری انٹرنیشنل کا خاص کام بنانا چاہتا تھا۔

اس کے پروگرام میں کچھ دائیں بازو سے اور کچھ بائیں بازو سے نوچا ہوا ملغوبہ تھا۔ مثلاً طبقات کی مساوات (!) سماجی تحریک کے ابتدائی نکتے کی حیثیت سے وراثت کے حق کا خاتمہ (سین سائمون کی خرافات)، اذعانی اصول کی حیثیت سے انٹرنیشنل کے ممبروں میں بے دینی کا پرچار وغیرہ اور خاص اذعانی اصول کی حیثیت سے (پرودھونی عقیدہ) سیاسی تحریک سے پرہیز وغیرہ۔

بچوں کی کہانیوں کی طرح کی یہ باتیں اٹلی اور اسپین میں مقبول ہوئیں (پرودھونی عقیدہ سیاسی تحریک سے پرہیز وغیرہ۔

بچوں کی کہانیوں کی طرح کی یہ باتیں اٹلی اور اسپین میں مقبول ہوئیں (جس کا اب بھی کچھ اثر ہے) جہاں مزدوروں کی تحریک کے حقیقی حالات نے ابھی بہت کم فروغ پایا ہے۔ یہ لاطینی سوئٹزرلینڈ اور بلجیم کے کچھ خودنما، جاہ طلب اور خالی الذہن اصول پرستوں کو بھی پسند آئیں۔

باکونین صاحب کے لئے ان کا اصول (وہ بکواس جس کو انھوں نے پرودھوں اور سین سائمون وغیرہ سے لئے ہوئے ٹکڑوں سے تیار کیا ہے) دوسرے درجے کی بات تھی اور اب بھی ہے۔ وہ محض ان کی خود پرستی کا ذریعہ ہے۔ وہ نظریہ دان کے لحاظ سے تو صفر ہیں لیکن سازش کرنے والے کی حیثیت سے استاد ہیں۔

برسوں تک جنرل کونسل کو اس سازش کے خلاف لڑنا پڑا (جس کا ایک حد تک پردہ ہوں کے فرانسیسی حامی ساتھ دے رہے تھے خصوصاً جنوبی فرانس میں)۔ آخر کار کانفرنس کی قراردادوں 1,2,3 اور 9,16 اور 17 کے ذریعے جنرل کونسل نے وہ ضرب کاری لگائی جس کی تیاری بہت دنوں سے کی گئی تھی (2)۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جنرل کونسل امریکہ میں ان باتوں کی حمایت نہیں کرتی جن کے خلاف وہ یورپ میں لڑتی ہے۔ اب 1,2,3 اور 9 نمبر کی قراردادوں نے نیویارک کی کمیٹی کو وہ قانونی اسلحہ دے دئے ہیں جن کے ذریعے ساری فرقہ واریت اور اناڑی گڑوں کو ختم کیا جا سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو ان کو نکال باہر بھی کیا جا سکتا ہے...

مزدور طبقے کی سیاسی تحریک اپنا مختتم مقصد رکھتی ہے جو درحقیقت اس طبقے کے لئے سیاسی اقتدار جیتنا ہے اور قدرتی طور پر اس کے لئے مزدور طبقے کو ابتدا سے ہی ایسی تنظیم کی ضرورت ہے جو ایک حد تک فروغ پا چکی ہو اور جو اسی طبقے کی معاشی جدوجہد سے پیدا ہوئی ہو۔

دوسرے طرف، بہرنوع، ہر وہ تحریک ایک سیاسی تحریک ہے جس میں مزدور طبقہ ایک طبقے کی حیثیت سے حکمراں طبقے کے مقابلے میں آتا ہے اور ان پر باہر سے دباؤ ڈال کر فتح پانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ مثلاً کسی خاص فیکٹری یا صنعت کے کسی خاص شعبے میں انفرادی طور پر سرمایہ داروں کو ہڑتال وغیرہ کے ذریعے کام کا دن مختصر کرنے پر مجبور کرنا خالص معاشی تحریک ہے۔ دوسرے طرف آٹھ گھنٹے کے کام کے دن وغیرہ کا قانون بنانے پر مجبور کرنے کی تحریک سیاسی تحریک ہے۔ اور اس طرح مزدوروں کی الگ الگ معاشی تحریک سیاسی تحریک ہے۔ اور اس طرح مزدوروں کی الگ الگ معاشی تحریکوں سے ہر جگہ ایک سیاسی تحریک پیدا ہوتی ہے یعنی اس طبقے کی تحریک پیدا ہوتی ہے جس کا مقصد اپنے مفادات کو عام شکل میں رائج کرنا ہوتا ہے یعنی ایسی شکل میں جو سارے سماج کے لئے دباؤ ڈالنے والی طاقت رکھتی ہو۔ اگرچہ ان تحریکوں کے لئے پہلے سے کچھ تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے لیکن یہ بھی اپنی باری میں اس تنظیم کو ترقی دینے والا مساوی ذریعہ ہوتی ہیں۔

جہاں مزدور طبقہ اپنی تنظیم میں اتنا آگے نہیں ہے کہ وہ اجتماعی طاقت یعنی حکمراں طبقوں کے سیاسی اقتدار کے خلاف فیصلہ کن مہم چلا سکے وہاں اس کو ہر قیمت پر اس کے لئے متواتر ایجی ٹیشن کے ذریعہ اور حکمراں طبقوں کی پالیسی کے خلاف رویے کے ذریعہ تربیت دینی چاہیئے۔ نہیں تو مزدور طبقہ ان لوگوں کے ہاتھ میں کھلونا بن جائے گا جیسا کہ فرانس کے ستمبر انقلاب نے دکھایا اور ایک حد تک اس کھلواڑ سے بھی ثابت ہوا جو گلیڈسٹن اینڈ کمپنی کے حضرات ابھی تک بڑی کامیابی سے انگلستان میں کر رہے ہیں۔

پہلی بار مختصر طور پر

Briefe und Auszuge aus Briefen von Jon. Phil. Becker, Yos. Dietzgen, Friedrich Engels, Karl Marx und a . an F.A. Sorge und Andere, Stuttgart

میں شائع ہوا اور پورا خط روسی میں "مارکس اور اینگلز کی تصانیف" کے پہلے ایڈیشن کی 26 ویں جلد(1935) میں شائع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

نوٹس

1۔سوشل ڈیموکریسی کا اتحاد(L' Alliance de Democratie Socialiste) یہ جماعت 1868 میں باکونین نے جنیوا میں قائم کی تھی۔اس کے پروگرام میں صاف اعلان کیا گیا تھا کہ ہم تمام طبقوں کی مساوات اور ریاست کے خاتمے کے حق میں ہیں۔اس "الائینس" کے ممبر اس بات کو ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ مزدور طبقہ سیاسی جدوجہد میں حصہ لے۔"الائینس" کے چھوٹی بورژوازی والے نراجی (انارکسٹ) پروگرام کو اٹلی،سوئٹزرلینڈ اسپین اور دوسرے ملکوں کے ان علاقوں سے تائید نصیب ہوئی جہاں صنعت کی سطح پست تھی۔1869 میں اس جماعت نے پہلی انٹرنیشنل کی جنرل کونسل سے اپیل کی کہ وہ اسے اپنے اندر شامل کر لے۔انٹرنیشنل والوں نے اس شرط پر "الائینس" کی الگ الگ شاخوں کا داخلہ منظور کیا کہ وہ خود کو علیحدہ جماعت کی حیثیت سے توڑ کر شامل ہوں تاہم جب انٹرنیشنل سے وہ منسلک ہو چکے تب بھی "الائینس" کے ممبروں نے انٹرنیشنل ورکنگ میز ایسوسی ایشن کے اندر اپنی خفیہ تنظیم باقی رکھی اور ان کے لیڈر کی حیثیت سے باکونین نے جنرل کونسل پر نکتہ چینی اور حملوں کا ایک طومار باندھ دیا۔پیرس کمیون کا ٹوٹنا تھا کہ یہ مہم اور تیز کر دی۔باکونین اور اس کے ماننے والوں نے پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کے نظریے کو زطعی رد کر کے یہ کہنا شروع کیا کہ مزدور طبقے کی ایک الگ سیاسی پارٹی بنانے کے کوئی معنی نہیں جب پارٹی جمہوری مرکزیت کے اصولوں پر قائم کی گئی ہو آخر جب پہلی انٹرنیشنل کی کانگرس ستمبر 1872 میں ہیگ میں منعقد ہوئی تو زبردست اکثریت کے ساتھ "الائینس" کے لیڈروں۔باکونین اور گیلیوم کو انٹرنیشنل سے خارج کر دیا گیا۔

2۔یہاں حوالہ پہلی انٹرنیشنل کی لندن کانفرنس کی لندن کانفرنس کی قراردادوں کا ہے جو 23۔۔17 ستمبر 1871 کو ہوئی تھی۔یہ قراردادیں "نیشنل کونسلوں کے نام دینے وغیرہ" (قرارداد نمبر 2، دفعات 1,2,3)،"مزدور طبقے کے سیاسی اقدام" (قرارداد نمبر 9)،"سوشل ڈیموکریسی کا اتحاد" (قرارداد نمبر 16) اور "سوئٹزرلینڈ کے فرانسیسی

زبان بولنے والے حصے میں پھوٹ" (قرارداد نمبر 17) کے بارے میں تھیں۔

ہوبیرتس برگ میں مقیم اگسٹ بیبل کے نام
اینگلز کا خط

لندن،

20 جون 1873

میں آپ کے خط کا پہلے جواب دے رہا ہوں کیونکہ لیبکنیخت کا خط ابھی مارکس کے پاس ہے اور وہ اس کو ڈھونڈ نہیں پا رہے ہیں۔

ہیپنر نہیں بلکہ ہیپنر کے نام یورک کے خط نے، جس پر کمیٹی کے دستخط تھے، ہم کو خوفزدہ کر دیا کہ پارٹی کے اعمال، جو بدقسمتی سے سارے کے سارے لاسال کے پیرو ہیں، Volksstaat (1) کو ایک "سچے" Neuer Social Demokrat (2) میں بدلنے کے لئے آپ کی سزائے قید کو استعمال کریں گے۔ یورک نے صاف صاف اس ارادے کا اعتراف کیا اور چونکہ کمیٹی یہ حق رکھنے کا دعوی کرتی ہے کہ وہ ایڈیٹروں کو مقرر اور برخاست کر سکتی ہے اس لئے خطرہ واقعی کافی تھا۔ ہیپنر کی ہونے والی جلاوطنی سے یہ منصوبے اور زیادہ ممکن ہوتے تھے۔ ان حالات میں ہمارے لئے صورت حال جاننا بہت ضروری تھا۔ اسی لئے یہ خط و کتابت ہو رہی ہے۔

جہاں تک لاسال ازم کے بارے میں پارٹی کے رویے کا سوال ہے تو آپ اس کا فیصلہ ہم سے بہتر کر سکتے ہیں کہ کون سے طریقہ کار استعمال کئے جائیں، خصوصاً مخصوص معاملات میں۔ لیکن ان باتوں پر بھی غور کرنا چاہئے کہ جب آپ کی طرح کوئی ایک حد تک کل جرمن مزدور انجمن (3) کے مدمقابل کی پوزیشن میں ہو تو وہ آسانی سے اپنے مخالف کی طرف زیادہ توجہ دینے لگتا ہے اور اس کی یہ عادت بن جاتی ہے کہ اپنے مخالف کے بارے میں سب سے پہلے سوچے۔ لیکن کل جرمن مزدور انجمن اور مزدوروں کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی دونوں ابھی تک جرمن مزدور طبقے کی بہت ہی چھوٹی اقلیت رکھتی ہیں۔ ہمارا خیال، جس کی طویل عمل نے تصدیق کی ہے، یہ ہے کہ پروپیگنڈے کا صحیح طریقہ اپنے مخالف کے چند افراد اور ممبروں کو یہاں وہاں سے توڑ لینا نہیں ہے بلکہ ان کثیر تعداد عوام کے درمیان کام کرنا ہے جو ابھی تک تحریک میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ کسی نئے فرد کے خیالات کی طاقت جس کو خود ہم نے ناپختگی کی حالت سے تربیت دی ہو لاسالیائی پارٹی کے ان دس بھاگ کر آنے والوں سے کہیں بہتر ہے جو

ہمیشہ اپنے ساتھ جھوٹے رجحانات کے جراثیم پارٹی کے اندر لاتے ہیں۔ اگر عوام اپنے مقامی لیڈروں کے بغیر ہمیں مل جائیں تو اور بھی اچھا ہے۔ لیکن سودا کرنے میں ایسے لیڈروں کی پوری بھیڑ کو بھی لینا پڑتا ہے جو اگر اپنے پہلے کے خیالات کے نہیں تو اپنے پہلے پبلک اعلانوں کے ضرور پابند ہوتے ہیں اور اب ان کو سب سے زیادہ یہ بات ثابت کرنی ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے اصول نہیں چھوڑے ہیں بلکہ اس کے برعکس مزدوروں کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی سچے لاسالازم کا پرچار کر رہی ہے۔ یہی آئزی ناخ (4) کی بدقسمتی تھی جس سے اس وقت شاید بچنا ممکن نہ تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان عناصر نے پارٹی کو نقصان پہنچایا ہے اور مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ ان لوگوں سے اتحاد کے بغیر پارٹی کم از کم اتنی مضبوط نہ ہوتی جتنی آج ہے۔ بہرحال میرے خیال میں یہ بدقسمتی ہوتی اگر ان عناصر نے سہارا پالیا ہوتا۔

آدمی کو "اتحاد" کی چیخ پکار سے گمراہ نہ ہونا چاہیے۔ جن لوگوں کے لبوں پر یہ نعرے اکثر رہتے ہیں وہی سب سے زیادہ نفاق کے بیج بوتے ہیں جیسے کہ اس وقت سوئٹزرلینڈ میں پہاڑی علاقے یورا کے باکونین والے ہیں جنھوں نے تمام نفاق پیدا کئے ہیں اور اتحاد کے لئے سب سے زیادہ شوروغل کر رہے ہیں۔ اتحاد کے یہ دیوانے یا تو تنگ نظر لوگ ہیں جو تمام چیزوں کا ایک عجیب ملغوبہ تیار کرنا چاہتے ہین جونتھرنے کے ساتھ ہی پھر سارے اختلافات کو اوپر لاتا ہے اور وہ بھی زیادہ شدت کے ساتھ کیونکہ اب تو سارے اختلافات ایک ہی طرح کیہوتے ہیں (جرمنی میں اس کی اچھی مثال وہ لوگ ہیں جو مزدوروں اور پیٹی بورژوازی کے درمیان مصالحت کی باتیں کرتے ہیں)، یا پھر ایسے لوگ ہیں جو غیر شعوری (مثلاً میولبیرگر) یا شعوری طور پر تحریک کو جعل سازی کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے سب سے بڑے فرقہ پرست اور سب سے زیادہ شوروغل مچانے ولاے بدمعاش خاص خاص موقعوں پر اتحاد کی بہت زوردار ہانک پکار کرتے ہیں۔ ہماری زندگی کے دوران اتحاد کا شوروغل مچانے والوں سے زیادہ کسی نے بھی ہمیں پریشان نہیں کیا اور نہ ہی ان سے زیادہ کسی نے غداری کی۔

ظاہر ہے کہ ہر طرح کی پارٹی کے لیڈر کامیابی کے خواہاں ہوتے ہیں، اور یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن ایسے حالات بھی ہوتے ہیں جب زیادہ اہم باتوں کے لئے فوری کامیابی کو قربان کرنے کی ہمت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ خاص کر اس پارٹی کے لئے جیسی ہماری پارٹی ہے، جس کی کامیابی بالکل یقینی ہے اور جس نے ہماری زندگی میں ہی، ہماری آنکھوں کے سامنے اتنی زبردست ترقی کی ہے، فوری کامیابی کسی طرح بھی ہمیشہ اور قطعی ضروری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر انٹرنیشنل (5) کو لے لیجئے۔ کمیون کے بعد اس کی زبردست کامیابی ہوئی۔ بورژوازی مفلوج ہو کر اس کو انتہائی طاقتور ماننے لگی تھی۔ اس کے ممبروں کی کثیر تعداد کا یہی خیال تھا کہ یہ ساری باتیں تاابد قائم رہیں گی۔ لیکن ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ بلبلہ پھوٹے گا۔ ہر طرح کے نامعقول لوگ انٹرنیشنل سے وابستہ

ہو گئے تھے۔انٹرنیشنل کے اندر فرقہ پرست دیدہ دلیر ہو گئے اور اس امید کے ساتھ انٹرنیشنل کا غلط استعمال کرنے لگے کہ ان کو ذلیل ترین اور انتہائی احمقانہ حرکتوں کی اجازت ہوگی۔ہم نے اس کی اجازت نہیں دی۔یہ اچھی طرح سے جانتے ہوتے کہ بلبلہ کبھی نہ کبھی ضرور پھوٹ گا،ہم نے اس کی فکر کی کہ اس آفت میں تاخیر نہ ہو اور انٹرنیشنل اس سے صاف اور بے داغ ہو۔بلبلہ ہیگ میں (6) پھوٹ گیا اور آپ کو معلوم ہے کہ کانگرس کے ممبروں کی اکثریت نا امید ہو کر واپس گئی۔پھر بھی تقریباً ان سب ناامید لوگوں کے جھگڑے جنہوں نے یہ تصور کیا تھا کہ انٹرنیشنل میں ان کو ہمہ گیر برادری اور مصالحت ملے گی،ان کے اپنے گھروں میں بمقابلہ ان جھگڑوں کے کہین زیادہ تلخ تھے جو ہیگ میں ہوئے تھے۔اب فرقہ پرست جھگڑالو لوگ مصالحت کی تبلیغ کر رہے ہیں اور ہم پر جبتی اور ڈکٹیٹر ہونے کا الزام لگا رہے ہیں۔اور اگر ہم ہیگ میں مصالحت کے طریقے سے کام لیتے،اگر ہم نفاق کو پھوٹنے نہ دیتے اور اس کو دبا دیتے تو کیا نتیجہ ہوتا؟فرقہ پرستوں،خصوصاً باکونین کے حامیوں کو اس کے لئے ایک اور سال مل جاتا کہ وہ انٹرنیشنل کے نام سے اور زیادہ حماقتیں کریں اور بدنام کن باتیں پھیلائیں۔تب سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کے مزدور تنفر سے منہ پھیر لیتے،بلبلہ پھوٹتا نہیں بلکہ کچوکوں سے رفتہ رفتہ بیٹھ جاتا اور آئندہ کانگرس،جہاں بحران پیدا ہونا ضروری تھا،یقیناً انتہائی ذلیل ذاتی جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتی کیونکہ اصولوں کی قربانی تو ہیگ میں ہی دی جا چکی ہوتی۔تب انٹرنیشنل واقعی پاش پاش ہو جاتی۔"اتحاد" کے ذریعے پاش پاش ہو جاتی۔اس کے بجائے ہم نے بڑی عزت کے ساتھ ان سڑے گلے عناصر سے چھٹکارا پا لیا ہے۔کمیون کے جو ممبر آخری اور فیصلہ کن اجلاس میں موجود تھے ان کا کہنا ہے کہ کمیون کے کسی اجلاس نے ان کو اتنا زیادہ متاثر نہیں کیا جتنا اس ٹریبونل کیا اجلاس نے جس نے یورپی پرولتاریہ کے غداروں کے بارے میں فیصلہ کیا تھا۔دس مہینے تک ہم نے ان غداروں کو اپنی صلاحیتیں جھوٹ،بدنام کن باتوں اور سازشوں پر صرف کرنے دیں اور آج وہ کہاں ہیں؟انٹرنیشنل کی زبردست اکثریت کے یہ نام نہاد نمائندے خود ہی اعلان کر رہے ہیں کہ وہ آئندہ کانگرس میں آنے کی جرات نہیں رکھتے (اس کے متعلق ایک آرٹیکل میں (فریڈرک اینگلز "انٹرنیشنل میں") زیادہ تفصیلات دی گئی ہیں جو Volksstaat میں شائع کرنے کے لئے اس خط کے ساتھ بھیجا جا رہا ہے)۔اور اگر ہمیں یہ دوبارہ کرنا پڑے تو مجموعی طور پر ہم اسی طرح کرینگے۔اس میں شک نہیں طریقہ کار کی غلطیاں ہمیشہ ممکن ہیں۔

بہر حال میرے خیال میں لاسال کے پیروؤں کے معقول عناصر وقت آنے پر خود بخود آپ کے ساتھ آجائیں گے،اس لئے پھل کو پکنے سے پہلے توڑنا دانش مندی کی بات نہ ہوگی جیسا کہ اتحاد کی خواہاں بھیڑ چاہتی ہے۔

مزید برآں بڑے میاں ہیگل بہت زمانہ ہوا کہہ چکے ہیں کہ کوئی پارٹی اپنے کو توڑ کر اور اس نفاق کو برداشت

کر کے جاندار ہونے کا ثبوت دیتی ہے(7)۔"پرولتاریہ کی تحریک لازمی طور پر ارتقا کی مختلف منازل سے گذرتی ہے، ہر منزل پر لوگوں کا کچھ حصہ پھنس جاتا ہے اور مزید پیش قدمی میں حصہ نہیں لیتا۔"صرف اسی سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ہر جگہ "پرولتاریہ کی یکجہتی" واقعی مختلف پارٹی گروہوں کی صورت میں ہوتی ہے، جو ایک دوسرے سے زندگی موت کے جھگڑے کرتے ہیں یہی صورر رومن سلطنت میں انتہائی جبر وتشدد کی حالت میں عیسائی فرقوں کی تھی۔

اسی طرح آپ کو یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اگر مثال کے طور پر Neuer Social Demokrat کے خریدار بمقابلہ Voksstaat کے زیادہ ہیں تو اس کا یہ سبب ہے کہ ہر فرقہ لازمی طور پر کٹر ہے اور اس کٹر پن کی وجہ سے، خصوصاً ان علاقوں میں جہاں فرقہ نیا ہے(مثلاً کل جرمن مزدور انجمن شلیز ویگ۔ ہولشٹن میں) وہ اس پارٹی کے مقابلے میں زیادہ فوری کامیابیاں حاصل کرتا ہے جو فرقہ وارانہ توہمات سے پاک محض حقیقی تحریک ہی کی نمائندگی کرتی ہے۔دوسرے طرف یہ بھی ہے کہ کٹر پن دیرپا نہیں ہوتا۔

مجھے اپنا خط ختم کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ ڈاک بند ہونے والی ہے۔میں صرف جلدی سے یہ اضافہ کر رہا ہوں کہ مارکس اس وقت تک لاسال سے نہیں نبٹ سکتے(8) جب تک فرانسیسی ترجمہ(یہاں ذکر مارکس کی کتاب "سرمایہ کی پہلی جلد کا ہے) نہ ختم ہو جائے جو تقریباً جولائی کے آخر تک ہوگا۔اس کے بعد ان کو آرام کی قطعی ضرورت ہوگی کیونکہ انھوں نے بہت زیادہ کام کیا ہے...

پہلی بار مختصر طور پر

F. Engel Politixcher Vermachtnis Aus unferoffentlichten Briefen Berlin,

نامی کتاب کی شکل میں 1920 میں شائع ہوا اور روسی زبان میں پورا خط رسالہ "بالشویک" کے شمارے 1 (1932) میں چھپا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

نوٹس

1۔Der Volksstaat("عوامی ریاست")۔اس اخبار کا نام ہے جو جرمن سوشل ڈیموکریسی (آئزی ناخ والوں کی پارٹی) کا ترجمان تھا اور لائپزگ سے ولیکنیخت کی زیرادارت میں 1876۔1869 تک نکلتا رہا۔

آگست بیل اس کے مینجر تھے۔ مارکس اور اینگلس بھی اس اخبار کے قلمی معاون تھے۔ 1869 تک Demokratisches Wochenblatt کے نام سے شائع ہوتا رہا۔

2۔Neuer Social Demokrat ۔ یہ جرمن اخبار 76۔1871 کے دوران برلن سے شائع ہوتا تھا اور کل جرمن مزدور انجمن کا ترجمان تھا جس کی قیادت لاسال کرتا تھا۔اس اخبار نے پہلی انٹرنیشنل کی مارکسی قیادت اور جرمن سوشل ڈیموکریٹک لیبر (مزدور پارٹی کی مخالفت کی اور وہ باکونین کے پیروؤں اور مزدوروں کی تحریک میں پرولتاری مخالف رجحانات رکھنے والے دوسرے نمائندوں کی حمایت کرتا رہا۔

3۔کل جرمن مزدور انجمن۔ جرمن مزدوروں کی یہ سیاسی تنظیم 1863 میں لاسال کی سرگرم شرکت سے بنی تھی۔ یہ انجمن 1875 تک قائم رہی۔ پھر گوتھا کانگرس میں لاسال کے حامیوں اور آئزی ناخ والوں (اس پارٹی کے سربراہ لیبکنیخت اور بیبل تھے) نے مل کر جرمنی کے سوشلسٹ مزدوروں کی پارٹی بنالی۔

4۔آئزی ناخ کے مقام پر جرمنی، آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کے سوشل ڈیموکریٹوں کی کانگرس 1869 میں 7 سے 9 اگست تک ہوئی تھی۔ وہیں جرمن سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی کا قیام عمل میں آیا اور شریک ہونے ولوں کو آئزی ناخ والے کہا جانے لگا۔اس کانگرس میں جو پروگرام منظور ہوا وہ بڑی حد تک پہلی انٹرنیشنل کے پیش کئے ہوئے اصولوں سے مطابقت رکھتا تھا۔

5۔انٹرنیشنل ورکنگ میز ایسوسی ایشن (پہلی انٹرنیشنل)۔ یہ پرولتاریوں کی پہلی بین اقوامی جماعت تھی جس کے رہنما مارکس اور اینگلس تھے (1876۔1864)۔اس جماعت نے بڑے بڑے سرمایہ دار ملکوں کے ترقی یافتہ مزدوروں میں سائنسی سوشلزم کے خیالات پھیلائے اور (لینن کے الفاظ میں) "محنت کشوں کی بین اقوامی انجمن کی بنیاد ڈالی تاکہ سرمائے پر انقلابی حملے کی تیاری کی جائے" اگر اس انٹرنیشنل کا تفصیلی بیان دیکھنا ہو تو ملاحظہ کیجئے اینگلس کا وہ دیباچہ جو انہوں نے "کمیونسٹ پارٹی کے مینی فسٹو" کے جرمن ایڈیشن 1890 میں لکھا ہے اور مارکس کا وہ خط، جو انہوں نے 23 نومبر 1871 کو بولٹے کے نام بھیجا تھا (یہ تحریریں پہلی اور چوتھی جلدوں میں شامل ہیں)۔

6۔انٹرنیشنل ورکنگ میز ایسوسی ایشن کی کانگرس ہیگ میں 1872 میں اور 7 ستمبر کے درمیان ہوئی تھی۔اس کانگرس میں پندرہ قومی پارٹیوں (ملکوں) کی طرف سے 65 ڈیلی گیٹ سریک ہوئی تھے۔ مارکس اور اینگلس نے کانگرس کی تمام کارروائیوں میں رہنمائی کا فرض انجام دیا تھا۔ یہ دونوں رہنما اور ان کے حامی جو برسوں سے اس کوشش مین لگے ہوئے تھے کہ مزدور طبقے کی تحریک سے پیٹی بورژوا لوگوں کی تنگ نظری یا فرقہ بندی کی ہر شکل کو دور کر دیں، اس کانگرس میں یہ کوشش اپنے انجام کو پہنچی۔ نرجیوں کی تفرقہ پسندی کی حرکتوں سے بیزاری کا اظہار کر

کے،ان کے لیڈروں کوانٹرنیشنل سے نکال دیا گیا۔ہیگ میں ہونے والی اس کانگرس نے یہ راہ ہموار کردی کہ مختلف ملکوں میں مزدور طبقے کی آزاد سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں اور آزاد حیثیت سے اپنا کام کریں

7۔دیکھئے ہیگل کی کتاب "روح کی مظہریات" میں "تعلیم کی حقیقت" کا پیراگرف۔

8۔73۔1872 میں لیبکنیخت اور ہیپنر نے کئی بار مارکس سے درخواست کی کہ وہ Voksstaat کے لئے کوئی پمفلٹ یا مضمون لکھ کر لاسال کے نظریا تپر تنقید کریں۔

ہمبرگ میں مقیم ولہلم بلوس کے نام
مارکس کا خط

لندن،

10 نومبر 1877

..."نہ تو میں خفا" ہوں (جیسا ہائنے کہتے ہیں) اور نہ اینگلس (1)۔ہم میں سے کوئی مقبولیت کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کرتا۔مثلاً اس کیا یک مثال یہ ہے کہ شخصیت پرستی سے تنفر کی وجہ سے یہ میں نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے تعریف کے بہت سے پیغامات کو شائع کراؤں جن کی انٹرنیشنل کے وجود کے دوران کچھ پر بارش ہوئی اور میں نے تو ان کے کبھی جواب بھی نہیں دئے سوائے کبھی کبھی ڈانٹ پھٹکار کے۔جب اینگلس اور میں خفیہ کمیونسٹ سوسائٹی (کمیونسٹ لیگ) میں شامل ہوئے تو ہم نے یہ شرط رکھی کہ ہر ایسی چیز کو منشور (2) سے نکال دیا جائے جو بااختیار لوگوں کے سامنے جھکنے کی ہمت افزائی کرتی ہو (بعد کو لاسال نے اس کی مخالف سمت اپنا اثر استعمال کیا)...

پہلی بار رسالہ Der Wahre Jacob کے شمارے 565(6)، 17 مارچ 1908 میں شائع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

نوٹس

1۔1877 میں گوتھا کانگرس میں ڈیورنگ کے حامیوں کے حملوں کے سلسلے میں بلوس نے ایک خط (30 اکتوبر_ 6 نومبر 1877) کے ذریعے مارکس سے یہ دریافت کیا کہ آیا مارکس اور اینگلز جرمنی کے پارٹی کے رفیقوں سے

ناراض ہیں۔ اس واقعہ کے پیش نظر کہ جرمن مزدور مارکس اور اینگلز کی تحریروں کی طرف پہلے سے کہیں زیادہ توجہ دے رہے ہیں بلوس نے لکھا کہ سوشل ڈیموکریٹوں کے ایجی ٹیشن کی بدولت مارکس اور اینگلز اتنے مقبول ہو گئے ہیں جس کا وہ تصور نہیں کر سکتے۔

2۔ یہاں حوالہ صاحبان انصاف کی لیگ League of Just کے منشور کا دیا گیا ہے۔ مارکس اور اینگلز نے اس منشور کی تشکیل میں لیگ کی پہلی کانگرس کے دوران جون 1874 میں کافی سرگرمی سے شرکت کی۔ لیگ کی برادریوں میں اس پر بحث مباحثہ ہوا اور پھر دوسری کانگرس میں اس پر دوبارہ غور کر کے 8 دسمبر 1847 کو اسے منظور کر لیا گیا۔

ویانا میں مقیم کارل کاؤتسکی کے نام

اینگلز کا خط

لندن،

12 ستمبر 1882

... آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ انگریز مزدوروں کی نوآبادیاتی پالیسی کے بارے میں کیا رائے ہے۔ دراصل بالکل وہی جو عام طور پر سیاست کے بارے میں ہے، وہیجیسے بورژوا ژی سوچتی ہے۔ دیکھئے نا یہاں کوئی مزدوروں کی پارٹی نہیں ہے۔ صرف کنزرویٹو اور لبرل ریڈیکل پارٹیاں ہیں اور مزدور بڑی خوشی کے ساتھ عالمی منڈی اور نوآبادیوں سے حاصل کئے ہوئے انگریز اجارے داری کے ترلقمے میں حصہ لیتے ہیں۔ میری رائے میں حقیقی نوآبادیاں یعنی وہ ملک جن پر یورپی آبادی نے قبضہ جما لیا ہے مثلاً کناڈا، کیپ اور آسٹریلیا آزاد ہو جائیں گے۔ دوسری طرف دیسی آبادی والے ملک ہیں جن کو محض ماتحت بنا لیا گیا ہے مثلاً ہندستان، الجزائر اور ہالینڈ، پرتگال اور اسپین کے مقبوضات۔ فاتح پرولتاریہ کو چاہئے کہ عارضی طور پر ان کو سنبھالے اور جتنی تیزی سے ممکن ہو سکے آزادی کی طرف لے جائے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ عمل کس طرح ہوگا۔ ہندستان میں شاید، بلکہ یقیناً انقلاب ہوگا اور چونکہ پرولتاریہ اپنی نجات کے دوران کوئی نوآبادیاتی جنگ نہیں کر سکتی اس لئے اس کو اپنے راستے پر چلنے کی

اجازت دینی چاہئے۔اس کے علاوہ واضح ہے کہ یہ سب ہرطرح کی تباہی و بربادی کے بغیر نہ ہوگا۔لیکن یہ تو سب انقلابوں کا ضروری جزو ہے۔یہی اور کہیں بھی ہوسکتا ہے مثلاً الجزائر اور مصر میں۔ہمارے لئے یہ یقینی طور پر بہترین بات ہوگی۔ہمیں اپنے ملک میں کرنے کو مل جائے گا۔ایک بار اگر یورپ اور شمالی امریکہ پھر سے منظم ہوجائیں تو وہ ایسی زبردست طاقت اور مثال فراہم کریں گے کہ نیم ترقی یافتہ ملک خود بخود ان کی پیروی کریں گے۔معاشی ضروریات ہی ان کو ایسا کرنے پر مجبور کریں گی۔لیکن یہ ممالک سوشلسٹ تنظیم تک پہنچنے سے پہلے کن سماجی اور سیاسی منزلوں سے گذریں گے اس کے بارے میں ہم نرے مفروضات ہی پیش کرسکتے ہیں۔صرف ایک بات یقینی ہے: فاتح پرولتاریہ اپنی فتح کو نقصان پہنچائے بغیر کسی غیر ملک پر کوئی رحمت نہیں نازل کرسکتا جن میں کسی طرح بھی نوع بنوع دفاعی جنگوں کا استثنا نہیں ہے...

پہلی بار پورا خط روسی زبان میں "مارکس اور اینگلس کی دستاویزات" جلد 1 (6)،1932 میں شائع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

برلن میں مقیم کونزاد شمیدت کے نام اینگلس کا خط

لندن،

5 اگست 1890

... میں نے پاؤل بارتھ کی کتاب پر(1) منحوس موریتز ویرتھ کا ریویو ویانا کے Deutsche Worte(2) میں پڑھا اور اس تنقید نے کتاب کے بارے میں میرے ذہن پر ناخوشگوار اثر چھوڑا۔میں اس کتاب کو دیکھوں گا لیکن میں یہ بتادوں کہ اگر "چھوٹے مورتیر" نے بارتھ کا حوالہ صحیح دیا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ وجود کے مادی حالات پر فلسفہ کے انحصار وغیرہ کی واحد مثال جو اس کو مارکس کی ساری تصانیف میں ملی وہ یہ ہے کہ ڈیکارٹ نے جانوروں کے مشین ہونے کا اعلان کیا ہے، تو مجھے اس شخص کی حالت پر افسوس آتا ہے جس نے یہ لکھا ہے۔اور اگر اس شخص کو ابھی تک یہ پتہ نہیں ہے کہ وجود کے مادی حالات ہی prium agens (ابتدائی سبب) ہوتے ہیں، لیکن اس

کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نظریاتی شعبے اپنی باری میں مادی حالات پر اثر انداز نہیں ہوتے حالانکہ ان کا اثر ثانوی ہوتا ہے، تو غالباً وہ اس موضوع کو ہی نہیں سمجھا ہے جس پر وہ لکھ رہا ہے۔ بہر حال جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یہ سب اطلاعات بالواسطہ ہیں اور چھوٹا موریتز خطرناک دوست ہے۔ تاریخ کا ایسا مادی نظریہ رکھنے والوں کی آج کل کثرت ہے جن کے لئے یہ نظریہ اس بات کا بہانہ بن گیا ہے کہ وہ تاریخ کا مطالعہ نہ کریں۔ اس لئے انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے آخر کے فرانسیسی "مارکس وادیوں" پر طنز زنی کرتے ہوئے مارکس بھی اسی طرح کہا کرتے تھے "میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں مارکس وادی نہیں ہوں"۔

آئندہ سماج میں پیداوار کی تقسیم کے بارے میں Volks Tribune (74) میں ایک بحث بھی ہوئی ہے کہ آیا یہ کام کی مقدار کے مطابق ہوگی یا کسی اور طرح۔ انصاف کے بارے میں کچھ خیالی لفاظی کے برخلاف اس سوال کو بہت ہی "مادی طور پر" لیا گیا ہے۔ لیکن یہ کافی عجیب بات ہے کہ کسی کو یہ خیال تک نہیں آیا کہ آخر کار تقسیم کے طریقے کا انحصار لازمی طور پر سے اس پر ہوتا ہے کہ مال کی کتنی مقدار تقسیم کرنا ہے اور یہ بھی کہ مال کی یہ مقدار لازمی طور پر پیداوار کی ترقی اور سماجی تنظیم کے ساتھ بدلتی ہے اور اس لئے تقسیم کے طریقے کو بھی بدلنا چاہئے تو مطلب یہ ہے کہ تقسیم کا طریقہ بھی بدلتا ہے۔ لیکن بحث میں ہر حصہ لینے والے کے لئے "سوشلسٹ سماج" کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو متواتر بدل رہی ہو اور ترقی کر رہی ہو بلکہ ایک قائم بات ہے جو ہمیشہ کے لئے مقرر ہو چکی ہو اور جہاں اسی لئے تقسیم کے طریقے کو بھی ہمیشہ کے ہئے قائم ہونا چاہئے۔ بہر حال یہی کرنا معقول ہو سکتا ہے کہ (1) تقسیم کے اس طریقے کو ڈھونڈا جائے جو ابتدا میں استعمال ہوگا اور (3) مزید ترقی کے عام رجحان کو معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن پوری بحث میں اس کے بارے میں مجھے ایک لفظ بھی نہیں ملتا۔

عام طور پر جرمنی میں نوجوان مصنفوں کے لئے "مادی" کا لفظ محض ایسی بات ہے جس کا ٹھپا ہر چیز پر بغیر مزید مطالعہ کے سوال ختم ہو گیا۔ لیکن ہمارا تاریخ کا نظریہ سب سے پہلے مطالعہ کا رہنما ہے نہ کہ ہیگل کے طرز پر کوئی عمارت کھڑی کرنے کا ذریعہ۔ ساری تاریخ کا مطالعہ پھر سے کرنا چاہئے، مختلف سماجی نظاموں کے وجود کے حالات کا جائزہ الگ الگ لینا چاہئے قبل اس کے کہ ان سے ایسے سیاسی، قانونی، جمالیاتی، فلسفیانہ اور مذہبی خیالات وغیرہ اخذ کئے جائیں جو ان سے مطابقت رکھتے ہوں۔ لیکن ابھی تک اس سلسلے میں بہت کم کام ہوا ہے کیونکہ چند ہی لوگ اس کو سنجیدگی سے کر رہے ہیں۔ اس کام میں ہمیں بہت زیادہ مدد کی ضرورت ہے، یہ میدان بہت زیادہ وسیع ہے اور جو اس میں سنجیدگی سے کام کرے وہ بہت کچھ حاصل کر کے ممتاز بن سکتا ہے۔ لیکن اس کے بجائے نئی نسل کے بہت سے جرمنوں نے تاریخی مادیت کو ایک فقرہ محض اس لئے بنا رکھا ہے (اور ہر چیز کو فقرے میں بدلا جا سکتا ہے) تا کہ وہ اپنی تسبتاً تھوڑی تاریخی معلومات کو (کیونکہ معاشی تاریخ کا ابھی بچپن ہی ہے) ایک

سڈول سسٹم میں جلد از جلد تبدیل کر دیں۔اس طرح وہ اپنے کو بہت ہی بلند پایہ سمجھنے لگتے ہیں۔اس کے بعد ممکن ہے کہ کوئی بارتھ آ کر اسی چیز پر حملہ کر دے جو اس کے حلقے میں صرف ایک کھوکھلے فقرے تک گرا دی گئی ہے۔

بہر حال، یہ سب خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔اب ہم جرمنی میں کافی مضبوط ہیں اور بہت کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔سوشلسٹ دشمن ہنگامی قانون (4) نے ہماری ایک بہت بڑی خدمت یہ کی کہ ہمیں اس جرمن دانش ور کی دخل در اندازی سے چھٹکارا دلا دیا جس پر سوشلزم کا رنگ ہلکا چڑھ چلا تھا۔اب ہم اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ ہم اس جرمن دانش ور کو بھی برداشت کر لیں گے جو پھر حد سے زیادہ خود پسند ہو گیا ہے۔آپ نے واقعی بہت کچھ کیا ہے اور آپ نے یہ بھی ضرور دیکھا ہو گا کہ پارٹی کے ساتھ اپنے کو وابستہ کرنے والے نوجوان ادیبوں میں سے معدودے چند سیاسی معاشیات، سیاسی معاشیات کی تاریخ، تجارت، صنعت، زراعت اور سماجی نظاموں کی تاریخ پڑھنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔کتنے ہیں جو ماؤر کے نام کے سوا اس کے بارے میں اور کچھ جانتے ہیں! یہاں کسی صحافی کی خود بینی سے ہی کام چلا لیا جاتا ہے اور نتائج بھی اسی طرح کے ہوتے ہیں۔یہ حضرات خیال کرتے ہیں کہ مزدوروں کے لئے سب کچھ ٹھیک ہے۔کاش کہ یہ حضرات صرف اتنا جانتے کہ مارکس کا یہ خیال تھا کہ ان کی بہترین تصانیف ابھی مزدوروں کے لئے کافی اچھی نہیں ہیں اور کسی طرح وہ خیال کرتے تھے کہ بہترین چیز کے سوا مزدوروں کو کوئی اور چیز پیش کرنا جرم ہے!...

پہلی بار پورا خط رسالہ Sozialistische Monatshefte شمارے 19۔18 (1920) میں شائع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

نوٹس

1۔یہاں ذکر بارتھ کی کتاب کا ہے:

Die Geschichtsphilosophie Hegels und Hegelianer bis aul Marx and Hartmaann

(مارکس اور ہارٹ مین تک ہیگل اور اس کے پیروؤں کا فلسفہ تاریخ) جو لائپزگ سے 1890 میں شائع ہوا۔

2۔Deutsche worte (جرمن لفظ) آسٹریائی معاشی اور سماجی سیاسی رسالہ جو ویانا سے 1881 اور 1904 کے درمیان شائع ہوتا رہا۔

ویرتھ کا مضمون "موجودہ جرمنی میں ہیگل کی بے عزتی اور اخراج" اسی رسالے کے 1890 کے پانچویں شمارے میں چھپا۔

3۔ Berliner Volkstribune (برلن کی عوامی تفریح گاہ) یہ سوشل ڈیموکریٹوں کا ہفتہ وار اخبار تھا جو نیم نراجی گروہ "نوجوان" سے قریب تھا اور 1887 اور 1892 تک شائع ہوتا رہا۔

"ہر شخص کے لئے اس کی محنت کی پوری پیداوار ___ اس زیر بحث مضمون کے لئے مواد 14 جون اور 12 جولائی کے دوران اسی اخبار میں شائع ہوا تھا۔

4۔ سوشلسٹ دشمن ہنگامی قانون The Exceptional Law or the Anti-Socialist Law جرمنی میں 21 اکتوبر 1878 کو جاری کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی تمام شاخیں، عام مزدور انجمنیں، مزدوروں کے اخبارات وغیرہ خلاف قانون قرار دے دئے گئے۔ اشتراکی خیالت کی کتابوں، رسالوں کو بحق سرکار ضبط کر لینے کا حکم نافذ ہوا اور سوشل ڈیموکریٹوں پر زیادتیاں کی گئیں۔ عام مزدور تحریک کے دباؤ سے یہ قانون پہلی اکتوبر 1890 کو منسوخ کر دیا گیا۔

برسیلاول میں مقیم اوٹو فون بیونگک کے نام
اینگلس کا خط

(آج کل اس شہر کا نام ورو تسلاف ہے۔)

فولک اسٹون (ڈوور کے قریب)

21 اگست 1890

... آپ کے سوالوں کا جواب میں مختصر اور عام طور سے ہی دے سکتا ہوں ورنہ پہلے ہی سوال کے جواب میں مجھے ایک پورا مقالہ لکھنا پڑ جائے گا۔

1۔ میرے خیال میں وہ سماج جو "سوشلسٹ سماج" کہلاتا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ تبدیل نہ کیا جا سکے۔ تمام دوسرے سماجی ڈھانچوں کی طرح اس پر بھی متواتر بہاؤ اور تبدیلی کا اثر ہوتا ہے۔ موجودہ نظام سے اس کا خاص فرق قدرتی

طور پر اس پیداوار میں ہے جو پوری قوم کے تمام ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کی بنا پر منظّم کی جاتی ہے۔ اس تنظیم نو کو کل ہی شروع کر دینا (لیکن اس کو رفتہ رفتہ کرنا) میرے خیال میں بالکل قابل عمل ہے۔ یہ کہ ہمارے مزدور یہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کا ثبوت پیداوار کرنے والے اور صارفین کے بہت سے کوآپریٹیو اداروں سے ملتا ہے جو بشرطیکہ ان کو پولیس جان بوجھ کر برباد نہ کرے، اپنے انتظام میں بورژوا اسٹاک کمپنیوں کے ٹکر کے ہوتے ہیں اور ان سے کہیں زیادہ ایمانداری سے چلائے جاتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سیاسی پختگی کے اس شاندار ثبوت کے بعد مزدوروں نے ہنگامی قانون کے خلاف اپنی فاتحانہ جدوجہد کے ذریعے پیش کیا ہے

آپ جرمنی میں عوام کی جہالت کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے نام نہاد تعلیم یافتہ لوگوں کے خود پسندانہ اور بے مغز وعظ مجھے بڑی رکاوٹ معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس ابھی تک ماہرین ٹکنیک اور ماہرین زراعت، انجینیئر وں، کیمیادانوں اور ماہرین طرز تعمیر وغیرہ کی کمی ہے۔ یہ بات سچ ہے لیکن شدید ضرورت کے وقت ہم بھی ان کو اسی طرح خرید سکتے ہیں جیسے سرمایہ دار خریدتے ہیں۔ اور اگر ان کے درمیان چند غداروں کو لے کر (کیونکہ غدار تو ایسے لوگوں میں ضرور ہوں گے) دوسروں کے لیے مثال قائم کرنے کی غرض سے ایسی سزائیں دی جائیں جن کے وہ سزاوار ہیں تو وہ سمجھ جائیں گے کہ ہمارے یہاں مزید چوری نہ کرنا ان ہی کے حق میں ہے۔ لیکن ان ماہرین کے علاوہ جن میں اسکول ٹیچروں کو بھی میں شامل کیے لیتا ہوں، ہم دوسرے "دانش وروں" کے بغیر اپنا کام بہت اچھی طرح چلا سکتے ہیں۔ مثلاً صاحبان علم اور طالب علموں کا جو ریلا آج کل پارٹی میں آ رہا ہے وہ کافی نقصان پہنچا سکتا ہے اگر ان حضرات کو قابو میں نہ رکھا جائے۔

دریائے ایلبے کے مشرقی کنارے پر واقع یونکروں کی جاگیریں بڑی آسانی سے مناسب ٹکنیکی انتظام کے تحت کھیت مزدوروں اور دیہی عملے کے دوسرے لوگوں کو لگان پر دی جا سکتی ہیں جو ان جاگیروں کو مشترکہ طور پر چلائیں گے۔ اگر اس میں ہنگامے ہوں تو وہ یونکر ہی مورد الزام ہوں گے جنہوں نے موجودہ اسکولی قانون کی خلاف ورزی کر کے لوگوں کو اس حد تک وحشی بنا دیا ہے۔

سب سے بڑی رکاوٹ چھوٹے کاشتکار اور وہ مبرم اور ضرورت سے زیادہ عقلمند دانش ور ہیں جو کسی بات کو جتنا ہی کم سمجھتے ہیں اتنا ہی زیادہ یہ دکھاتے ہیں کہ وہ اس کو بہتر سمجھتے ہیں۔

ایک بار عوام میں ہمارے پیروؤں کی تعداد کافی ہو جائے تو بڑی صنعتوں اور بڑے پیمانے کی جاگیردارانہ کاشتکاری کو تیزی کے ساتھ اشتراکی بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ ہمیں سیاسی اقتدار حاصل ہو جائے۔ باقی جلد یا بدیر ہوتا رہے گا اور پھر بڑے پیمانے کی پیداوار کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہم صورت حال کے مالک ہونگے۔

آپ نے موزوں شعور کی غیر موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ یہ تو ہے لیکن امیر طبقے اور بورژوازی میں آنے والے

دانش وروں کواس کا گمان بھی نہیں ہے کہ ان کو ابھی مزدوروں سے کتنا کچھ سیکھنا ہے۔

پہلی بار پورا خط روسی زبان میں رسالہ "سوویت یونین کی کمونسٹ پارٹی کی تاریخ کے مسائل "شمارے 2 (1964) میں اور جرمن زبان کے رسالے

(Beitrage Zur Geschichte der deutschen Arbeiter-bewegung

2 شمارے (1964) میں شائع ہوا۔

کنگسبرگ میں مقیم جوزف بلوخ کے نام اینگلس کا خط

لندن،

21(-22) ستمبر 1890

...تاریخ کے مادی نظریے کے مطابق تاریخ میں مختتم فیصلہ کرنے والا عنصر حقیقی زندگی کی پیداوار اور دوبارہ پیداوار ہے۔اس سے زیادہ نہ مارکس نے اور نہ میں نے کبھی کہا ہے۔اس لیے اگر کوئی اس خیال کو توڑ مروڑ کر یوں بنا دے کہ معاشی عنصر ہی واحد فیصلہ کن عنصر ہے تو وہ اس بات کو محض ایک بے معنی ،مجرد اور فضول فقرہ بنا دیگا۔معاشی صورت حال بنیاد ضرور ہے لیکن اوپری ڈھانچے کے مختلف عناصر۔طبقاتی جدوجہد کی سیاسی شکلیں اور اس کے نتائج یعنی کامیاب لڑائی وغیرہ کے بعد فاتح طبقے کا قائم کیا ہوا ریاستی نظام وغیرہ،قانونی صورتیں،حتی کہ ان ساری حقیقی لڑائیوں کی عکاسی جو شرکا کے دماغ میں تشکیل پائی ،سیاسی ،قانونی اور فلسفیانہ نظریات ،مذہبی خیالات اور ان کا عقائد کے نظام میں مزید ارتقا_یہ ساری باتیں بھی تاریخی جدوجہد کی رو پر اثر انداز ہوتی ہیں اور بہت سی صورتوں میں اس کی شکل کو معین کرنے پر حاوی ہوتی ہیں۔ان تمام عناصر کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا رہتا ہے جس میں معاشی تحت یک بے شمار حادثات کے درمیان (یعنی ایسی چیزوں اور واقعات کے درمیان جن کا اندرونی باہمی رابطہ اتنا دور افتادہ یا ثبوت فراہم کرنے کے لیے ایسا ناممکن ہے کہ ہم اس کے وجود کو نہیں کے برابر سمجھتے ہیں)مختتم اور لازمی طور پر حاوی ہوتی ہے۔ورنہ تاریخ کے کسی دور پر تھیوری کا نفاذ کسی معمولی سوال کو حل کرنے سے بھی زیادہ

آسان ہوتا۔

ہم خود اپنی تاریخ بناتے ہیں لیکن سب سے پہلے بہت واضح مفروضات اور حالات کے تحت۔ان میں معاشی حالات مختتم طور پر فیصلہ کن ہوتے۔لیکن سیاسی حالات وغیرہ، یہاں تک کہ ایسی روایات بھی جو انسانی ذہن میں جاگزیں ہوتی ہیں اپنا رول ادا کرتی ہیں، اگر چہ وہ فیصلہ کن نہیں ہوتیں۔پرشیائی ریاست بھی تاریخی وجوہات سے اور آخر میں معاشی وجوہات سے وجود میں آئی اور ترقی پذیر ہوئی۔لیکن یہ دعوے کرنا محض لفاظی ہے کہ شمالی جرمنی کی بہت سی چھوٹی ریاستوں میں صرف برانڈن برگ کو معاشی ضرورت کی بنا پر ہی ایک عظیم طاقت ہونے کا موقع ملا کہ وہ شمال اور جنوب کے درمیان معاشی ،لسانی اور (مذہبی دور اصلاح (Reformation) کے بعد) مذہبی اختلافات کا مجسمہ بنے اور معاشی ضرورت کے علاوہ اس میں دوسرے عناصر کا کوئی ہاتھ نہ تھا (سب سے پہلے اس واقعہ کا کہ برانڈن برگ پروشیا پر اپنی ملکیت کی وجہ سے پولینڈ کے ساتھ اور اس طرح بین اقوامی سیاسی تعلقات میں الجھ گیا جو آسٹریا کے شاہی خاندان کے اقتدار کے قیام میں فیصلہ کن ثابت ہوئے)۔اس طرح جرمنی کی ہر چھوٹی سابق یا موجودہ ریاست کے وجود کی وضاحت صرف معاشی وضاحت کے دہنگ دے کرنے کی کوشش اور جنوبی جرمن زبان میں حروف کی تبدیلیوں کے آغاز کو (جس کی وجہ سے سوویٹ سلسلہ کوہ سے ٹاؤنوس تک پھیلے پہاڑوں کی جغرافیائی تقسیم جرمنی کے آر پار پھیلی ہوئی ایک سیاسی دیوار کی صورت اختیار کر گئی ہے) معاشی وضاحت کے ذریعے سمجھانے کی کوشش مضحکہ خیز ہے۔

دوسرے، بہرنوع تاریخ اس طرح بنتی ہے کہ آخر نتیجہ ہمیشہ بہت سے لوگوں کی انفرادی مرضیوں کے تصادم سے برآمد ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کی مرضی کی تشکیل زندگی کے بہت سے مخصوص حالات کی بنا پر ہوتی ہے۔اس لیے ایک دوسرے کو قطع کرنے والی لاتعداد طاقتیں اور طاقتوں کے خطوط متوازن کے لامتناہی سلسلے ایک نتیجے کے حامل ہوتے ہیں جو تاریخی واقعہ ہوتا ہے۔اس نتیجے کو پھر ایسی واحد طاقت کی پیداوار کی حیثیت سے دیکھا جاسکتا ہے جو عموعی لحاظ سے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر کام کرتی ہے۔کیونکہ ایک فرد جو خواہش کرتا ہے اس کی ہر دوسرا فرد مخالفت کرتا ہے۔اور اس سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے۔وہ کسی کی مرضی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔اس طرح تاریخ ابھی تک قدرتی عمل کے مطابق چلتی رہی ہے۔اور لازمی طور پر حرکت کے انہیں قوانین کی پیروی کرتی ہے۔ لیکن یہ واقعہ کہ افراد کی مرضیاں (جن میں ہر ایک وہی چاہتا ہے جو اس کا جسمانی ڈھانچہ اور خارجی یعنی بالآخر معاشی حالات، یا تو اس کے ذاتی حالات یا عام طور پر سماجی حالات کا تقاضہ ہے) وہ نہیں حاصل کر پاتیں جو وہ چاہتی ہیں بلکہ ایک اوسط میں، ایک مشترکہ نتیجہ میں مدغم ہو جاتی ہیں، پھر بھی اس سے یہ نتیجہ نہ اخذ کرنا چاہیے کہ یہ مرضیاں صفر کے برابر ہوتی ہیں بلکہ اس کے برعکس ان میں سے ہر ایک نتیجے کو کچھ نہ کچھ دیتی ہیں اور اس حد تک

اس میں شامل ہوتی ہیں۔

مزید برآں میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ اس نظریے کا مطالعہ اس کے اصلی سرچشموں سے کریں نہ کہ بالواسطہ۔ دراصل یہ زیادہ آسان ہے۔ مارکس نے شاید ہی کوئی ایسی تصنیف کی ہو جس میں اس کا رول نہ ہو۔ خصوصاً "لوئی بونا پارٹ کی اٹھارویں برومیئر" اس کے استعمال کی بہترین مثال ہے۔ "سرمائے" میں بھی اس کی طرف بہت سے اشارے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا میں آپ کی توجہ اپنی تصانیف "سائنس میں ڈیورنگ کا انقلاب" اور "لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کی خاتمہ" کی طرف دلا سکتا ہوں جن میں میں نے تاریخی مادیت کو اتنی زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جو میرے علم میں کہیں اور موجود نہیں ہے۔

مارکس اور میں خود اس کے لیے قابل الزام ہیں کہ ہمارے نوجوان لوگ کبھی کبھی معاشی پہلو پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ ہمیں خاص اصول پر اپنے مخالفین کے مقابلے میں زور دینا تھا جو اس سے منکر تھے اور ہم کو ہمیشہ اتنا وقت، جگہ یا موقع نہیں ملا کہ ہم ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے والے باقی عناصر کا مناسب جائزہ لے سکتے۔ لیکن جب تاریخ کے کسی دور کو پیش کرنے یعنی اصول کے عملی استعمال کا سوال ہوا تب دوسری بات ہوگئی جہاں کسی غلطی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ بہرحال بدقسمتی سے یہ اکثر ہوتا ہے کہ کسی نئے نظریے کے خاص اصولوں کو سمجھ لینے کے بعد (انہیں بھی ہمیشہ صحیح نہیں سمجھا جاتا) لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اب ہم پورے عالم ہوگئے اور اسی لمحے سے بغیر زیادہ بکھیڑا مول لیے، اسے استعمال میں لا سکتے ہیں۔ میں اس الزام سے زیادہ تر حالیہ "مارکس وادیوں" کو بھی بری نہیں مان سکتا کیونکہ یہاں بھی کافی فضولیات کی تخلیق ہوئی ہے...

پہلی بار رسالے Der Sozialistische Akademiker کے شمارے 19(1895) میں شائع ہوا۔

برلن میں مقیم کونراد شمیدت کے نام

اینگلز کا خط

لندن،

27 اکتوبر 1890

محترم شمیدت!

پہلی فرصت کے آپ کو جواب لکھنے کے لئے استعمال کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں (Zuricher Post)(1) کی پیش کش قبول کر لینا آپ کے لئے بہت اچھا رہے گا۔ آپ وہاں معاشیات کے بارے میں ہمیشہ بہت کچھ معلومات حاصل کر سکیں گے، خصوصاً اگر آپ اس کا خیال رکھیں کہ زوریچ بہرحال زر اور سٹے کا تیسرے درجے کا بازار ہے۔ اس لئے وہاں جو تاثرات ہوتے ہیں وہ دگنے یا تگنے عکس کی وجہ سے کمزور ہو جاتے ہیں یا پھر جان بوجھ کر مسخ کر دئے جاتے ہیں۔ لیکن آپ کو پوری مشینری کی عملی معلومات حاصل ہوں گی اور آپ لازمی طور پر لندن، نیویارک، پیرس، برلن اور ویانا کے اسٹاک ایکس چینج کی رپورٹوں کا مطالعہ کریں گے اور اس طرح عالمی بازار اپنے زر اور اسٹاک کے بازار کے روپ میں آپ کے سامنے آجائے گا۔ معاشی، سیاسی اور دوسرے عکس بالکل انسانی آنکھ کے عکس کی طرح ہیں۔ وہ ایک مرتکز لینس سے گذرتے ہیں اور اس لئے سر کے بل کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ صرف اس اعصابی آلے کی جو ان کو دوبارہ سیدھا کر کے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے یہاں کمی ہے زر بازار کا آدمی صنعت اور عالمی بازار کی تحریک کو زر اسٹاک کے بازار کے الٹے عکس میں ہی دیکھتا ہے۔ اور اس لئے سبب بن جاتا ہے۔ میں نے اس کو مانچسٹر میں پانچویں دھائی میں ہی دیکھ لیا تھا۔ لندن اسٹاک ایکس چینج کی رپورٹیں صنعت کی ترقی کے رخ اور اس کے وقتی اتار چڑھاؤ کو سمجھنے کے لئے بالکل بیکار تھیں کیونکہ وہاں کے حضرات ہر چیز کی وضاحت زر بازار کے بحرانوں سے ہی کرتے تھے۔ جو درحقیقت محض پہلی علامتیں ہوا کرتے تھے۔ اس وقت اس بات کو ثابت کرنا تھا کہ عارضی طور پر ضرورت سے زیادہ پیداوار صنعتی بحرانوں کی جڑ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں ایک اور مطلب بھی تھا جو توڑ مروڑ کے لئے اکساتا تھا۔ اب اس بات کا وجود نہیں رہا، کم از کم ہمارے واسطے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہیں رہا۔ پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ زر بازار کے اپنے بحران ہو سکتے ہیں۔ جن میں صنعت کی براہ راست گڑبڑ کوئی تحتی رول ادا کرتی ہیں یا ان کا کوئی رول نہیں ہوتا۔ یہاں ابھی بہت کچھ ثابت کرنا دیکھنا بھالنا ہے خصوصاً پچھلے بیس سال کی تاریخ میں۔

جہاں سماجی پیمانے پر محنت کی تقسیم ہوتی ہے وہاں الگ الگ محنت کے عوامل ایک دوسرے سے آزاد ہو جاتے ہیں بالاخر پیداوار ہی فیصلہ کن عنصر ہوتی ہے۔لیکن جیسے ہی مصنوعات کی تجارت خود پیداوار پر منحصر نہیں رہتی وہ اپنی تحریک سے چلنے لگتی ہے جو مجموعی طور پر پیداوار کے تحت ہوتی ہے لیکن خصوصی باتوں میں اور اس عام انحصار کے اندر رہ کر اپنے قوانین کی پیروی کرنے لگتی ہے جو اس نئے عنصر کی نوعیت میں ہی پنہاں ہوتے ہیں۔اس تحریک کے اپنے الگ مراحل ہوتے ہیں جو خود اپنی باری میں پیداوار کی تحریک پر اثر انداز ہوتے ہیں۔امریکہ کی دریافت کی وجہ وہ سونے کا لالچ تھا جو اس سے پہلے پرتگالیوں کو افریقہ لے گیا تھا۔(دیکھئے زیتبر یر کی کتاب "قیمتی دھاتوں کی پیداوار") کیونکہ چودھویں اور پندرھویں صدی میں بہت زیادہ توسیع پاتی ہوئی یورپی صنعت اور اس سے مطابقت رکھنے والی تجارت اس سے زیادہ تبادلے کے ذرائع کی مقتضی تھی جتنے جرمنی، جو 1450 سے 1500 تک بہت بڑا چاندی مہیا کرنے والا ملک تھا، فراہم نہیں کر سکتا تھا۔1500 سے 1800 کے دوران پرتگال، ہالینڈ اور برطانیہ والوں نے ہندوستان میں جو فتوحات کیں ان کا مقصد ہندستان سے اپنے یہاں سامان درآمد کرنا تھا۔کسی نے وہاں کوئی چیز برآمد کرنے کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔پھر بھی ان دریافتوں اور فتوحات نے جو صرف تجارتی مفادات نے حاصل کی تھیں صنعت پر بہت زبردست اثر ڈالا۔صرف ان ملکوں میں برآمد کرنے کی ضروریات نے ہی جدید اور بڑے پیمانے کی صنعت قائم کی اور اس کو فروغ دیا۔

یہی صورت زر بازار کی بھی ہے۔جیسے ہی زر کی تجارت اشیا کی تجارت سے الگ ہوتی ہے پیداوار اور اشیا کی تجارت کے عائد کئے ہوئے بعض حالات میں اور ان کی پابندیوں کے اندر اس کا اپنا ارتقا شروع ہو جاتا ہے، اس کی اپنی نوعیت کے معین کئے ہوئے مخصوص قوانین اور علیحدہ مراحل قائم ہوتے ہیں۔اگر اس میں یہ اضافہ کیا جائے کہ زر کی تجارت زیادہ ترقی کر کے اپنے میں ہنڈیوں کی تجارت کو بھی شامل کر لیتی ہے اور یہ ہنڈیاں نہ صرف سرکاری دستاویزات ہوتی ہیں بلکہ صنعت اور ٹرانسپورٹ کے حصے share بھی ان میں شامل ہوتے ہیں اور اس طرح زر کی تجارت پیداوار کے ایک حصے پر براہ راست کنٹرول حاصل کر لیتی ہے جبکہ مجموعی طور پر پیداوار ہی تجارت پر حاوی رہتی ہے، تب پیداوار پر زر کی تجارت کا الٹا اثر زیادہ زوردار اور پیچیدہ ہوتا ہے۔زر کی تجارت کرنے والے ریلوے لائنوں، کانوں، لوہے کے کارخانوں وغیرہ کے مالک ہوتے ہیں ان ذرائع پیداوار کے دو پہلو ہو جاتے ہیں: ان کو کبھی کبھی براہ راست پیداوار کے فائدے کے لئے کام کرنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی حصے داروں کے فائدے کے لئے جہاں تک وہ بینکر (روپیہ فراہم کرنے والے) ہوتے ہیں۔اس کی نمایاں مثال شمالی امریکی ریلوے سے ملتی ہے جس کے چالو رہنے کا پورا انحصار جسے گولڈ یا وانڈ ریبلٹ وغیرہ کے اسٹاک ایکسچینج کے معاملوں پر ہے جبکہ ریلوے اور ذرائع رسل و رسائل کی حیثیت سے ریلوے کے مفادات سے ان کا کوئی سروکار نہیں رہتا۔

یہاں انگلستان میں بھی ہم نے مختلف ریلوے کمپنیوں کے درمیان اپنے اپنے علاقوں کی سرحدوں کے بارے میں دسیوں سال تک جھگڑے چلتے دیکھے ہیں، ایسے جھگڑے جن میں خوب پیسہ پھونکا گیا، پیداوار اور رسل و رسائل کے مفاد میں نہیں بلکہ محض رقابت کی وجہ سے، جس کا واحد مقصد عام طور پر حصہ رکھنے والے زر کے تاجروں کی اسٹاک ایکس چینج کی لین دین میں آسانی پیدا کرنا تھا۔

پیداوار سے مالوں کی تجارت کے تعلق اور ان دونوں کے زر کی تجارت سے تعلق کے بارے میں اپنے نظریے کی طرف چند اشاروں کے ذریعے میں نے عام طور سے تاریخی مادیت کے بارے میں آپ کے سوالوں کا بنیادی طور پر جواب دے دیا ہے۔ محنت کی تقسیم کے نقطہ نظر سے اس کو سمجھنا زیادہ آسان ہے۔ سماج کچھ ایسی مشترکہ حرکتیں پیدا کرتا ہے جن کے بغیر اس کا م نہیں چل سکتا۔ اس مقصد کے لیے جو اشخاص مقرر ہوتے ہیں وہ سماج کے اندر محنت کی تقسیم کی نئی شاخ قائم کر لیتے ہیں۔ اس سے ان کے مخصوص مفادات پیدا ہوتے ہیں جو ان لوگوں کے مفادات سے علیحدہ ہوتے ہیں جنہوں نے ان کو اختیارت دیے ہیں۔ وہ موخرالذکر کے محتاج نہیں رہتے اور اس طرح ریاست وجود میں آتی ہے۔ اب تمام باتیں اسی طرح چلتی ہیں جیسی جنس کی تجارت میں اور بعد ازاں زر کی تجارت میں۔ نئی خودمختار طاقت جس کو خاص طور پر پیداوار کی تحریک کی پیروی کرنی پڑتی ہے، اپنی پنہاں نسبتی خودمختاری کی بنا پر (یعنی وہ نسبتی خودمختاری جو ایک بار اس کی طرف منتقل کی جاتی ہے اور اس کو مزید فروغ دیا جاتا ہے) پیداوار کے حالات اور اس کی روش پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ دونا برابر طاقتوں کا ایک دوسرے پر عمل ہوتا ہے۔ ایک طرف معاشی تحریک ہوتی ہے اور دوسری طرف نئی سیاسی طاقت جو امکانی خودمختاری حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جو ایک بار قائم ہونے کے بعد خود اپنی تحریک حاصل کر لیتی ہے۔ مجموعی طور پر معاشی تحریک کے اپنے راستے پر گامزن ہوتی ہے لیکن اس کو اس سیاسی تحریک کے اثرات برداشت کرنے پڑتے ہیں جسے اس نے خود قائم کر کے نسبتی خودمختاری عطا کی ہے۔ معاشی تحریک کو ایک طرف ریاستی اقتدار کی تحریک اور دوسری طرف اس کے ساتھ ہی پیدا ہونے والی مخالف پارٹی کے اثر کو برداشت کرنا پڑتا ہے جس طرح صنعتی بازار کی تحریک خاص طور سے اور ان شرطوں کے ساتھ جن کے بارے میں بتایا جا چکا ہے، زر بازار میں ظاہر ہوتی ہے اور واقعی الٹی شکل میں، اسی طرح ان طبقوں کے درمیان جدوجہد بھی جن کا ابھی وجود ہے اور جو ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، حکومت اور حزب مخالف کی جدوجہد میں ظاہر ہوتی ہے اور اسی طرح الٹی شکل میں، براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ، طبقاتی جدوجہد کی حیثیت سے نہیں بلکہ سیاسی اصولوں کے لیے لڑائی کی حیثیت سے اور یہ اتنی مسخ صورت میں ہے کہ ہمیں اس کو پہچاننے میں ہزاروں سال لگ گئے۔

معاشی ترقی پر ریاستی اقتدار کا ردعمل تین طرح کا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ معاشی ترقی کی سمت چلتا ہے تو ترقی میں

تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ترقی کی لائن کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں آج کے زمانے میں کسی بھی بڑی قوم میں یہ ریاستی اقتدار کسی نہ کسی وقت پاش پاش ہو جائے گا۔ یا پھر وہ معاشی ترقی کو معینہ لائنوں پر چلنے سے روک کر اس کو دوسرے راستے پر لے جا سکتا ہے۔ یہ صورت بالآخران پہلی دو صورتوں میں سے کسی پر ختم ہوتی ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن یہ صاف ہے کہ دوسری اور تیسری صورتوں میں سیاسی اقتدار معاشی ترقی کو بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے اور قوت اور مواد کے بہت زیادہ فضول خرچ ہونے کا باعث بن سکتا ہے۔

اس کے علاوہ معاشی ذرائع پر قبضہ کر کے ان کی وحشیانہ بربادی کی اور بھی صورت ہے جس سے پہلے زمانے میں بعض حالات میں کسی پورے علاقے یا قوم کی معاشی ترقی کے نتائج کی بربادی پوری طور پر کی گئی۔ آج کل ایسی صورت کا اثر عام طور پر الٹا پڑتا ہے خصوصاً بڑی بڑی قوموں پر۔ اکثر مفتوح فاتح کے مقابلے میں معاشی، سیاسی اور اخلاقی طور پر زیادہ فائدے میں رہتا ہے۔

یہی صورت قانون کی ہے۔ جیسے ہی محنت کی نئی تقسیم، جو پیشہ ور قانون دان پیدا کرتی ہے، ضروری ہو جاتی ہے، ایک نیا اور خود مختار شعبہ ظہور میں آ جاتا ہے جو پیداوار اور تجارت پر اپنے تمام انحصار کے ساتھ ان شعبوں پر اثر انداز ہونے کی مخصوص صلاحیت رکھتا ہے۔ جدید ریاست میں قانون کو نہ صرف عام معاشی حالت کے مطابق اور اس کا اظہار ہونا چاہیے بلکہ اندرونی طور پر مربوط اظہار جو داخلی تضادات کی وجہ سے اپنے کو صفر نہیں بننے دیتا۔ اور اس کو حاصل کرنے میں معاشی حالات کی صحیح عکاسی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ ایسا ہوتا ہے جتنا شاذ و نادر قانونی ضابطہ کسی طبقے کے تسلط کا درشت، قطعی اور خالص اظہار رہوتا ہے کیونکہ یہ "حق کے نظریے" کے خلاف ہوگا۔ 96-1792 کی انقلابی بورژوازی کا حق کے بارے میں خالص اور معقول تصور اب ضابطہ نپولین میں بہت پہلوؤں سے ملاوٹ کا نشانہ بن چکا ہے اور پرولتاریہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے حقوق کا یہ نظریہ، جس حد تک وہ ضابطہ نپولین میں موجود ہے، متواتر نرم تبدیلیوں کی طرف جھکے گا۔ اس کے باوجود ضابطہ نپولین ایسی آئینی دستاویز ہے جو دنیا کے ہر حصے میں ہر نئے قانونی ضابطے کے لیے بنیاد کا کام دیتا ہے۔ اس طرح بڑی حد تک "حق کی ترقی کا راستہ" صرف اس پر مشتمل ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ان تضادوں کو دور کیا جائے جو معاشی تعلقات کو براہ راست قانونی اصولوں میں منتقل کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور قانون کا ایک ہم آہنگ نظام قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ پھر مزید معاشی ترقی کے اثر اور زور سے اس نظام میں متواتر دراڑیں پرتی ہیں اور وہ مزید تضادات میں مبتلا ہو جاتا ہے (میں اس وقت صرف شہری قانون کی بات کر رہا ہوں)۔

قانونی اصولوں کی حیثیت سے معاشی تعلقات کا عکس بھی لازمی طور پر الٹا ہوتا ہے۔ یہ عمل عکاسی سرگرم کار آدمی کے شعور کے بغیر جاری رہتا ہے۔ قانون دان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ پہلے سے طے شدہ دعوؤں کو لے کر چل رہا

ہے جبکہ درحقیقت وہ صرف معاشی تعلقات کے عکس ہوتے ہیں۔اس لیے ہر چیز اوندھی ہوتی ہے۔اور مجھے یہ بات صاف معلوم ہوتی کہ یہ اوندھا پن، جب تک پہچانا نہیں جاتا، ایسی چیز کی تشکیل کرتا ہے جو نظریاتی نقطہ نگاہ کہلاتی ہے۔وہ اپنی باری میں معاشی بنیاد پر اثر انداز ہوتا ہے اور کچھ حد تک اس کو تبدیل بھی کر دیتا ہے۔وراثت کے حق کی بنیاد (یہ فرض کرتے ہوئے کہ خاندان کے ارتقا میں حاصل کی ہوئی منزلیں یکساں رہی ہیں) معاشی ہے۔پھر بھی مثال کے لیے یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ انگلستان میں وصیت کرنے والے کو قطعی آزادی اور فرانس میں اس پر ہر چھوٹی سی چھوٹی تفصیل میں سخت پابندی کے اسباب معاشی ہیں کیونکہ وہ ملکیت کی تقسیم پر اثر ڈالتے ہیں۔

جہاں تک نظریات کے ایسے شعبوں کا سوال ہے جو اب بھی آسمانی خلاؤں میں پنہاں ہیں مثلاً مذہب اور فلسفہ وغیرہ تو ان کے پاس ماقبل تاریخ کا مواد ہے جس کو تاریخی دور نے دریافت کیا اور اپنایا اور جس کو ہمیں اب بکواس کہنا چاہیے۔قدرت، انسان کی اپنی ہستی، روحوں اور جادو کے طاقتوں وغیرہ کے بارے میں مختلف جھوٹے مفروضات زیادہ تر صرف منفی معنی میں معاشی ترقی بنیاد رکھتے ہیں۔ماقبل تاریخی دور کی نیچی سطح کی معاشی ترقی قدرت کے غلط مفروضات سے اور بھی کم ہوگئی اور کچھ حد تک ان سے مشروط رہی اور حتی کہ ان سے پیدا بھی ہوئی۔ اور اس کے باوجود کہ قدرت کی معلومات حاصل کرنے میں ترقی کی خاص محرک طاقت معاشی ضرورت تھی اور اب اور زیادہ ہوگئی ہے پھر بھی ان ساری ابتدائی زمانے کی فضولیات کے لیے کوشش کر کے معاشی اسباب تلاش کرنا محض بقراطیت ہوگئی۔سائنس کی تاریخ ان فضولیات کو رفتہ رفتہ صاف کرنے یا ان کی جگہ پر تازہ لیکن کچھ کم حمایت آمیز باتیں لانے کی تاریخ ہے۔جو لوگ ان باتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں وہ محنت کی تقسیم میں مخصوص شعبوں کے ہوتے ہیں۔اور اس حد تک کہ وہ محنت کی سماجی تقسیم کے تحت اپنا آزاد گروپ بناتے ہیں، ان کی تخلیقات، جن میں ان کی غلطیاں بھی شامل ہیں، سماج کے پورے ارتقا پر اثر انداز ہوتی ہیں حتی کہ اس کی معاشی ترقی پر بھی خود ان لوگوں پر معاشی ارتقا کا اثر غالب رہتا ہے۔مثلاً فلسفے میں اس بات کو بہت آسانی سے بورژوا دور کے لیے سچ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ہوبس پہلا جدید مادیت پرست (18 ویں صدی کے لحاظ سے) تھا لیکن وہ ایسے دور میں رہتا تھا اور مطلق العنانی کا حامی تھا جب سارے یورپ میں مطلق العنان شاہی اپنے عروج پر تھی اور انگلستان میں عوام کے خلاف جدوجہد پر اتر آئی تھی۔لوک، مذہب اور سیاست دونوں میں، 1688 کے طبقاتی سمجھوتے کا پیداوار تھا۔ مذہب فطرت کے انگریز پیرو اور ان کے زیادہ بااصول پیرو فرانسیسی مادیت پرست بورژوازی کے سچے فلسفی تھے۔ فرانسیسی تو بورژوا انقلاب کے بھی فلسفی تھے۔جرمن فلسفے میں کانٹ سے لے کر ہیگل تک جرمن تنگ نظری کا کبھی اثباتی اور کبھی منفی طور سے اظہار ہوتا ہے۔لیکن محنت کی تقسیم میں واضع شعبے کی حیثیت سے ہر دور کا فلسفہ کچھ واضح فکری مواد کو اپناتا ہے جو اس کو متقدمین سے ملا ہے اور اسی سے وہ اپنا آغاز کرتا ہے۔اور یہی سبب ہے کہ معاشی طور

پر پسماندہ ملک اب بھی فلسفے میں اگوا کار کا رول ادا کر سکتے ہیں جیسا کہ اٹھارویں صدی میں فرانس نے بمقابلہ انگلستان کے کیا جس کے فلسفے پر فرانسیسیوں نے اپنی بنیاد رکھی اور پھر جرمنی نے ان دونوں کے مقابلے میں ایسا کیا۔لیکن اس زمانے میں فرانس اور جرمنی میں فلسفے اور ادب کی عام خوشحالی بڑھتی ہوئی معاشی ترقی کا نتیجہ تھی۔میرے خیال سے ان شعبوں میں بھی معاشی ترقی کی مختتم برتری ثابت ہو چکی ہے لیکن یہ ان حدود کے اندر ہی ہوتی ہے جو معینہ شعبہ خود عائد کرتا ہے۔مثلاً فلسفے میں ان معاشی اثرات کے عمل سے (جو عام طور پر سیاسی روپ وغیرہ میں اثر انداز ہوتے ہیں) جو متقدمین کے منتقل کئے ہوئے موجود فلسفیانہ مودا پر ہوتا ہے۔یہاں معیشت کوئی نئی چیز نہیں پیدا کرتی بلکہ اس طریقے کا تعین کرتی ہے جس سے اس فکری مودا کو جو موجود ہوتا ہے تبدیل کر کے مزید فروغ دیا جاتا ہے اور یہ بھی زیادہ تر بالواسطہ ہوتا ہے۔جب کہ سیاسی، قانونی اور اخلاقی انعکاس ہی فلسفہ پر سب سے زیادہ براہ راست اثر ڈالتے ہیں۔

میں مذہب کے بارے میں ضروری باتیں فائر باخ سے متعلق کتابچے کے آخری حصے میں بتا چکا ہوں۔

اس لئے اگر بارتھ یہ سوچتا ہے کہ خود معاشی تحریک پر معاشی تحریک کے سیاسی وغیرہ عکسوں کے ہر جوابی اثر کو ہم نہیں مانتے تو وہ ہوا میں مکہ مار رہا ہے۔اس کے لئے مارکس کی کتاب "اٹھارویں برومیئر" کو ہی دیکھنا کافی ہوگا جو تقریباً امتیازی طور پر اس خاص رول کا ذکر کرتی ہے جو سیاسی جدوجہد اور واقعات نے ادا کئے ہیں، یہ سچ ہے کہ اس کو معاشی حالات پر ان کے عام انحصار کے مطابق ہی کیا گیا ہے۔یا "سرمائے" میں اس حصے کو دیکھنا چاہیے جو کام کے دن متعلق ہے، مثلاً وہاں جہاں قانون سازی جو یقناً سیاسی اقدام ہے قطعی اثر رکھتی ہے۔یا بورژوازی کی تاریخ کے حصے کو (24 واں باب)۔یا یہ دیکھئے کہ ہم پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے لئے کیوں لڑتے ہیں اگر سیاسی طاقت معاشی لحاظ سے ناکارہ ہے (یعنی ریاستی اقتدار) بھی تو معاشی طاقت ہی ہے۔

ابھی میرے پاس کتاب پر تنقید کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔مجھے پہلے تیسری جلد ("سرمایہ" کی) چھپوانا ہے اور اس کے علاوہ میں سوچتا ہوں کہ کوئی دوسرا شخص مثلاً برنشٹائن اس کو سرانجام دے سکتے ہیں۔

ان سب حضرات میں جدلیات کا فقدان ہے۔وہ ہمیشہ کہیں سرف سبب کو اور کہیں صرف نتیجے کو دیکھتے ہیں۔وہ یہ کبھی نہیں دیکھ پاتے کہ یہ ایک خالی خولی تجرید ہے، کہ ایسے شدید مابعد الطبیعیاتی تضادات حقیقی دنیا میں صرف بحرانوں کے دوران ہی پیدا ہوتے ہیں، کہ ترقی کا پورا عظیم عمل باہم ردعمل کی شکل میں چلتا رہتا ہے، اگرچہ وہ بہت ہی نابرابر طاقتوں کا ردعمل ہوتا ہے کیونکہ ان میں معاشی تحریک کہیں زیادہ طاقتور، ابتدائی اور فیصلہ کن ہوتی ہے، کہ یہاں ہر چیز نسبتی ہے اور کوئی چیز مطلق نہیں ہے۔جہاں تک ان لوگوں کا سوال ہے تو ان کے لیے جیسے ہیگل کا وجود ہی نہیں تھا...

پہلی بار رسالہ Sozialistische Monatashefte کے شمارے 21۔20 میں 1920 میں شائع ہوا۔
مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

نوٹس

1۔ Zuricher Posts (زوریچ کی ڈاک) جمہوری رجحان کا سوئس روزنامہ 1879 سے 1936 تک شائع ہوتا رہا۔

برلن میں مقیم فرانس میرنگ کے نام
اینگلس کا خط

لندن،
14 جولائی 1893

محترم میرنگ صاحب!

"داستان لیسنگ" بھیجنے کے لئے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنیکا پہلا موقع آج مل رہا ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ملنے کی محض رسمی رسید بھیج دوں بلکہ میں اس کے مواد کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس لئے تاخیر ہوئی۔

میں آخر سے شروع کرونگا یعنی "تاریخی مادیت کے بارے میں" (1) ضمیمے سے جس میں آپ نے خاص باتوں کو بہت عمدہ طریقے سے اور اس طرح پیش کیا ہے کہ غیر متعصب شخص ان کا قائل ہوگا۔ اگر اس میں کوئی قابل اعتراض بات ہے تو یہ کہ آپ نے اس میں مجھے اس سے کہیں زیادہ اونچا کی ہے، جس کے لائق میں ہوں، چاہے میں اس ہر چیز کا شمار بھی کرلوں جو سکتا ہے کہ وقت کے ساتھ میں خود ڈھونڈ لیتا لیکن جسے مارکس نے اپنی تیز نگاہی اور وسیع نقطۂ نظر کی وجہ سے زیادہ جلدی دریافت کرلیا۔ جب کسی کو خوش قسمتی سے چالیس سال تک مارکس جیسے انسان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملتا ہے تو عام طور پر اس کی زندگی میں اس کے کام کا اعتراف حسب

توقع نہیں ہوتا۔ اور جب عظیم ہستی کی موت ہو جاتی ہے تو کم اہمیت والے آدمی کی قدر و قیمت آسانی کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بڑھ جاتی ہے چاہے وہ اس قابل نہ ہو اور یہی صورت میرے ساتھ یہاں ہوئی۔ تاریخ ان سب باتوں کو آخر کار ٹھیک ٹھاک کر دے گی اور اس وقت تک میں ان تمام باتوں سے بے خبر ابدی نیند سو رہا ہوں گا۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں صرف ایک ہی بات کی کمی ہے جس پر مارکس اور میں نے بھی اپنی تحریوں میں کافی زور نہیں دیا ہے اور اس کے بارے میں ہم سب برابر کے قصوروار ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہم سب نے سب سے پہلے سیاسی، قانونی اور دوسرے نظریاتی تصورات اور ان تصورات کے ذریعہ پیدا ہونے والے اقدامات کی تشریح پر معاشی واقعات کے پیش نظر ہی خاص زور دیا ہے اور ہمیں ایسا کرنا بھی چاہئے تھا۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے ہم نے مواد کی خاطر ہیئت کے پہلو یعنی ان طریقوں اور ذریعوں کو نظر انداز کر دیا جن سے یہ تصورات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اس کی وجہ سے ہمارے مخالفین کو غلط فہمیوں اور توڑ مروڑ کا اچھا موقع مل گیا جس کی نمایاں مثال پاؤل بارتھ ہے۔

آئیڈیالوجی وہ عمل ہے جس کو کوئی مفکر شعور کے ساتھ پورا کرتا ہے۔ یہ سچ ہے، لیکن وہ اس کو غلط شعور کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ اصل محرک طاقتیں جو اس کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہیں اس کے لیے انجانی رہتی ہیں ورنہ یہ پھر کوئی نظریاتی (آئیڈیالوجیکل) عمل نہیں رہتا۔ اس لیے یہ شخص کچھ غلط مفروضہ محرک تصور کر لیتا ہے۔ چونکہ یہ عمل خیال سے تعلق رکھتا ہے اس لیے وہ اس کی ہیئت اور مواد دونوں خالص خیال سے ہی حاصل کرتا ہے جو یا تو اس کے اپنے یا اس کے متقدمین کے ہوتے ہیں۔ وہ محض خیالی کی تخلیق کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے اور خیال سے کوئی تعلق نہ رکھنے والے کسی دوسرے سرچشمے کی تلاش میں دور نہیں جاتا۔ دراصل یہ طریقہ کار اس کے لیے قدرتی اور آسان بات ہے، کیونکہ اس کے لیے سارا عمل خیال ہی کی پیداوار ہوتی ہے اسی لیے وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی بنیاد مختتم طور سے خیال ہی پر ہے۔

اس طرح تاریخی نظریات داں (آئیڈیالوجسٹ) (یہاں تاریخ کا تعلق ان سیاسی، قانونی، فلسفیانہ _ دینی، غرض مختصر طور پر سماج کے تمام شعبوں سے ہے نہ کہ صرف قدرت کے شعبوں سے) سائنس کے ہر شعبے میں وہ مواد رکھتے ہیں جس نے پچھلی نسلوں کے خیالات سے خود بخود اپنی تشکیل کی ہے اور ان یکے بعد دیگرے آنے والی نسلوں کے دماغ میں اپنے آزاد ارتقا کے راستے جا گزیں ہوا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک یا دوسرے شعبے کے خارجی واقعات اس ارتقا پر ثانوی اسباب کی حیثیت سے اثر ڈال سکتے ہیں لیکن مسلمہ مفروضہ یہی ہے کہ یہ واقعات خود بھی محض خیال کے عمل کے پھل ہیں اور اس طرح ہم اب بھی خالص خیال کے دائرے میں ہی رہتے ہیں جس نے بظاہر مشکل سے مشکل واقعات کو اپنے میں سمو لیا ہے۔

ریاستی آئینوں، قوانین کے نظاموں اور ہر منفرد شعبے میں نظریاتی تصورات کی آزاد تاریخ کا یہ دکھاوا ہی زیادہ تر لوگوں کو چکا چوند کر دیتا ہے۔ اگر لوتھر اور کالوین سرکاری کیتھولک مذہب کو "مغلوب" کر لیتے ہیں یا ہیگل _ فشٹے اور کانٹ کو یا روسو اپنے ریپبلکن "سماجی سمجھوتے" (2) کے ذریعے بالواسطہ آئین حامی مونتیسکیو کو "مغلوب" کر لیتا ہے تو یہ ایک ایسا عمل ہے جو دینیات، فلسفہ یا سیاسی سائنس کے اندر ہی رہتا ہے، خیال کے ان مخصوص شعبوں کی ترقی میں ایک منزل کی نمائندگی کرتا ہے اور خیال کے حدود سے کبھی باہر نہیں جاتا۔ اور چونکہ اس میں سرمایہ دارانہ پیداوار کے ابدی اور قطعی ہونے کے بورژوا دھوکے کا اضافہ ہوا ہے اس لیے اس وقت سے "فطری حکومت" کے حامیوں (physiocrats) (3) اور آدم اسمتھ کے ہاتھوں mercantilists کے "مغلوب" ہونے کو بھی محض خیال کی ہی فتح سمجھا جاتا ہے۔ اس کو تبدیل شدہ معاشی واقعات کا خیال میں عکس نہیں بلکہ ایسے واقعی حالات کا قطعی اور صحیح ادراک سمجھا جاتا ہے جو ہمیشہ اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت اگر رچرڈ شیر دل اور فلپ آگسٹ نے صلیبی جنگوں (4) کے بدلے آزاد تجارت قائم کی ہوتی تو ہم 500 سال کی تکلیفوں اور بیوقوفیوں سے بچ جاتے۔

معاملے کے اس پہلو کو جس کی طرف میں نے صرف سطحی طور پر اشارہ کیا ہے میرے خیال میں ہم ضرورت سے زیادہ نظر انداز کرتے آئے ہیں۔ یہ پرانی بات ہے کہ پہلے پہل ہیئت کو مواد کے لیے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں، میں نے بھی یہی کیا ہے اور غلطی کا یہ احساس ہمیشہ میرے ذہن میں صرف بعد میں آتا ہے۔ اس لیے میں آپ کو کسی طرح ملامت نہیں کر رہا ہوں۔ آپ سے پہلے اس کا قصوروار ہونے کی وجہ سے مجھے یہ حق نہیں پہنچتا۔ نہیں، میں یہ نہیں کروں گا۔ پھر بھی مستقبل کے لیے میں آپ کی توجہ اس نکتے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

اس سے وابستہ نظریات دانوں کا یہ بیہودہ تصور بھی ہے۔ چونکہ ہم مختلف نظریاتی شعبوں کے آزاد تاریخی ارتقا سے منکر ہیں جو تاریخ میں اپنا رول ادا کرتے ہیں اس لئے ہم تاریخ پر ان کے اثر سے بھی منکر ہیں۔ اس کی بنیاد سبب اور نتیجے کے درمیان بعد المشرقین ہونے کا فرسودہ غیر جدلیاتی نظریہ ہے اور ان کا باہمی ردعمل ایک سرے سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات اکثر جان بوجھ کر اس کو بھلا دیتے ہیں کہ ایک بار کوئی سیاسی واقعہ کچھ دوسرے قسم کے اسباب کے ذریعہ، جو بالآخر معاشی اسباب ہی ہوتے ہیں، دنیا میں وجود میں آتا ہے، تو وہ اپنے ماحول پر حتیٰ کہ ان اسباب پر بھی جن کی وہ پیداوار ہے، اثر انداز ہوتا ہے یا اثر انداز ہو سکتا ہے۔ مثلاً بارتھ نے مذہبی پیشوائی اور مذہب کے بارے میں جو لکھا ہے (آپ کا صفحہ 475)۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس شخص کو اچھی طرح سمجھ لیا جو کہ حد سے زیادہ فرسودہ ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ اس کو لائپزگ میں تاریخ کا پروفیسر

بنادیا ہے گیا ہے! پہلے وہاں بوڑھا واکسمتھ تھا، ایسا ہی کوڑمغز، پھر بھی دوسری قسم کا آدمی جو واقعات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

جہاں تک باقی کا سوال ہے تو میں کتاب کے بارے میں وہی بات دہرا سکتا ہوں جو میں نے مضامین کے لیے جب وہ (Neue Zeit) میں شائع ہوئے تھے۔ پروشیائی ریاست کے آغاز کے بارے میں یہ موجودہ تحریروں میں بہترین ہے۔ دراصل میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایسی واحد اور اچھی پیش کش ہے جو زیادہ معاملات کے باہمی روابط کو انتہائی تفصیل کے ساتھ صحیح طور سے ابھارتی ہے۔ صرف افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ بسمارک تک پورے مزید ارتقا کو اس میں شامل نہ کر سکے اور خود بخود یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپ دوسری بار اس کو کریں گے اور الکٹو رفریڈرک ولہلم سے لیکر بوڑھے ولہلم (ولہلم اول) تک کی ایک مکمل اور مربوط تصویر پیش کرینگے۔ آپ اپنی ابتدائی تحقیقات کر چکے ہیں جو کم از کم خاص باتوں میں تقریباً تکمیل تک پہنچ چکی ہیں۔ بہر حال اس کام کو اس خستہ حال پرانی جھونپڑی کے گرنے سے پہلے ہی کرنا ہے۔ شاہانہ حب وطنی کی داستانوں کو ختم کرنا خواہ اس شاہی کے خاتمے کے لیے زیادہ اہم ابتدائی شرط نہ ہو جو طبقاتی تسلط کو چھپاتی ہے (کیونکہ جرمنی میں خالص بورژوا ریپبلک کے وجود میں آنے سے پہلے ہی واقعات اس سے آگے نکل گئے) لیکن پھر بھی یہ اس مقصد کے لیے ایک انتہائی کارگر ذریعہ بن سکتا ہے۔

تب آپ کو پروشیا کی مقامی تاریخ کو اس بدحالی کے ایک حصے کی حیثیت سے، جس سے جرمنی گذرا ہے پیش کرنے کے لیے زیادہ آزادی اور غنیمت موقع ملے گا۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جہاں میں کبھی کبھی آپ کے خیال سے کچھ الگ ہو جاتا ہوں، خصوصاً جرمنی کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی ابتدائی شرطوں کے نظریے اور 16 ویں صدی کے دوران جرمنی میں بورژوا انقلاب کی ناکامی کے بارے میں۔ اگر ممکن ہوا تو جب میں اپنی کتاب " کسانوں کی جنگ " کے تاریخی مقدمے پر نظر ثانی کروں گا جس کی مجھے آئندہ جاڑوں تک امید ہے، تو میں زیر بحث نکات کی تفصیلات میں جاؤں گا، اس لیے نہیں کہ آپ نے جو نکات پیش کیے ہیں وہ غلط ہیں بلکہ میں کچھ نکتے ملا کر ان سب کو ذرا مختلف طریقے سے یکجا کروں گا۔

جرمن تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت (اس کی لگاتار بدحالی کا) میں نے ہمیشہ یہ پایا ہے کہ صرف مطابقت رکھنے والے فرانسیسی ادوار سے ہی اس کا مقابلہ مناسبت کا صحیح تصور پیدا کرتا ہے کیونکہ جو کچھ وہاں ہوتا تھا اس کے برہ راست خلاف ہمارے ملک میں ہوتا ہے۔ وہاں جاگیردارانہ ریاست کے منتشر ٹکڑوں سے ٹھیک اس وقت قومی ریاست کی تشکیل کی گئی جب ہم انتہائی زوال کے دور سے گزر رہے تھے۔ وہاں پورے عمل کے دوران نایاب معروضی منطق سے کام لیا گیا اور ہمارے یہاں زیادہ سے زیادہ شدید انتشار پھیلا۔ وہاں، قرون وسطی کے

دوران، غیر ملکی مداخلت کی نمائندگی برطانوی فاتح کرتا ہے جو شمالی فرانس کی قومیت کے خلاف اور پرووینسی قومیت کے حق میں تھی۔ انگلستان کے خلاف لڑائیوں نے ایک طرح سے تیس سالہ جنگ (5) کی صورت اختیار کی جس کا خاتمہ بہر نوع غیر ملکی حملہ آوروں کے اخراج اور شمال کے ہاتھوں جنوب کی غلامی ہوا پھر مرکزی اقتدار اور ماتحت برگنڈی ڈیوک (کارل بہادر۔) کے درمیان جدوجہد چلی۔ ڈیوک کو اپنے غیر ملکی مقبوضات کی حمایت حاصل تھی جس کا رول برانڈن برگ، پروشیا کے رول کے مطابق ہے۔ لیکن یہ جدوجہد مرکزی اقتدار کی فتح پر ختم ہوئی اور بالآخر قومی ریاست قائم ہوگئی۔ ٹھیک اسی وقت ہمارے ملک میں قومی ریاست بالکل ختم ہوگئی (جہاں تک کہ مقدس روما (6) کے اندر "جرمن سلطنت" کو قومی ریاست کہا جاسکتا ہے) اور جرمن علاقے میں بڑے پیمانے پر لوٹ مار شروع ہوگئی۔ یہ موازنہ جرمنوں کے لئے بہت ہی توہین آمیز ہے اور اسی سبب سے یہ زیادہ سبق دینے والا بھی ہے۔ چونکہ ہمارے مزدوروں نے پھر جرمنی کو تاریخ تحریک کی صف اول میں لاکر کھڑا کر دیا ہے اس لئے ہمارے واسطے ماضی کی اس توہین کو حلق سے اتارنا آسان ہوگیا ہے۔

جرمنی میں ارتقا کی اور ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ منقسم ریاستوں میں کوئی بھی، جنہوں نے آخر میں جرمنی کو اپنے درمیان تقسیم کرلیا تھا، خالص جرمن ریاست نہ تھی۔ دونوں مفتوحہ سلاف علاقوں میں آسٹریا۔ باویریا کی اور برانڈن برگ۔ سیکسون کی نوآبادیاں تھیں اور انہوں نے خود جرمنی کے اندر اقتدار صرف اپنے غیر ملکی، غیر جرمن مقبوضات کی حمایت بھروسے پر حاصل کیا۔ آسٹریا نے ہنگری کی حمایت سے (اگر بوہیمیا کا ذکر نہ کیا جائے) اور برانڈن برگ نے پروشیا کی حمایت سے۔ مغربی سرحد پر جو سب سے زیادہ خطرے میں تھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ شمال سرحد پر ڈنمارک والوں سے جرمنی کی حفاظت خود ڈنمارک والوں پر چھوڑ دی گئی اور جنوب میں تو حفاظت کی اتنی کم ضرورت تھی کہ یہاں کے سرحدی پہرے دار یعنی سوئستانی اپنے کو جرمنی سے الگ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

لیکن میں طرح طرح کے خارجی معاملات میں بہہ گیا۔ پھر بھی یہ بکواس آپ کے لئے کم از کم یہ ثبوت تو فراہم کرے گی کہ آپ کی تصنیف میرے لئے کتنی ولولہ انگیز ثابت ہوئی ہے۔

ایک بار پھر دلی شکریہ اور سلام۔

آپ کا، ف۔ اینگلس

پہلی بار مختصر طور میرنگ کی کتاب (Geschichte des Deutschen Bd.lll,Th.ll,Stuttgart,1898(Sozialdemokra-tie)

میں اور روسی زبان میں پورے مسودے کے مطابق مارکس اور اینگلس کی تصنیفات میں شائع ہوا۔

نوٹس

1۔فرانس میرنگ کا مضمون "تاریخی مادیت" کے بارے میں 1839 میں اس کی کتاب "داستان لیننگ" کے ضمیمے کے طور پر شائع ہوا۔

2۔روسو کے اس نظریے کے مطابق جو انہوں نے اپنی مشہور کتاب "سماجی سمجھوتے" میں پیش کیا ہے ابتدائی سماج میں لوگ قدرتی حالات میں رہتے تھے اور سب برابر تھے۔نجی ملکیت کے ظہور اور مالی نابرابری کی ترقی لوگوں کو قدرتی حالات سے مدنی حالات تک اور ایسی ریاست کے قیام تک لائی جس کا انحصار سماجی سمجھوتوں پر تھا۔بعد میں سیاسی نابرابری کے ارتقا کی وجہ سے سماجی معاہدے ٹوٹے اور ایک نئی اور حقوق سے محروم حالت پیدا ہوئی۔روسو نے یہ دلیل پیش کی کی اس مظہر کا خاتمہ ایسی معقول ریاست کر سکتی ہے جس کی بنیاد نئے معاہدہ عمرانی پر ہو۔

2۔Mercantilism یعنی سوداگریت، معاشی نظریات کا یہ نظام ابتدائی افزائش زر کے دور مین رائج تھا۔اس نظام کے نظریہ داں جو تجارتی سرمائے کے نمائندے تھے قومی دولت کا مطلب دولت جمع کرنا سمجھتے تھے اور غیر ملکی تجارت کو اس کا واحد ذریعہ جانتے تھے۔سترھویں اور اٹھارویں صدی میں سوداگریت نے مطلق العنان ریاستوں کی معاشی پالیسیوں پر بڑا اثر ڈالا۔

Physiocats ___ فرانس میں اٹھارویں صدی کے وسط میں بورژوا سیاسی معاشیات میں یہ ایک رجحان چلا تھا۔اس رجحان کے حامی بڑی سختی سے اس بات کے حق میں تھے کہ بڑے پیمانے پر سرمایہ دارانہ زراعت ہونی چاہئے، بعض طبقوں کو جو خاص حقوق حاصل ہیں ان کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ان لوگوں کو جاگیرداری نظام کے خاتمے کی ضرورت کا پورا احساس تھا لیکن پرامن اصلاحات کے ذریعے اس طرح یہ عمل کرنا چاہتے تھے جس سے حکمران طبقے اور مطلق العنانی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔فزیوکریٹوں کے فلسفیانہ خیالات تقریباً ویسے ہی تھے جیسے اٹھارویں صدی کے فرانسیسی روشن خیال اہل علم کے۔اس صدی کے آخر میں جب انقلاب فرانس برپا ہوا تو ان لوگوں کی تجویز کی ہوئی اکثر معاشی اصلاحات کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

3۔صلیبی جنگوں کا یہ اشارہ ہے اس طرف جب گیارہویں سے تیرہویں صدی تک مغربی یورپ کے بڑے بڑے والیان ریاست نے، غلبہ قائم کرنے کے لئے فوجی چڑھائی کی تھی اور مذہبی غرض یہ بتائی تھی کہ یروشلم اور دوسرے مقدس مقامات کو مسلمانوں سے چھین لیا جائے۔ان صلیبی جنگوں کی پشت پر کیتھولک چرچ کا اور کلیسائی نظام کا ہاتھ تھا۔اسی نے جنگوں کے حق میں فتویٰ دیا اور کوشش کی کہ دنیا بھر کو اپنے زیر اقتدار لایا جائے۔جنگجو سرداروں نے ان لڑائیوں کے لئے تن من دھن لگایا اور وہ کسان جو جاگیرداری کے جوئے سے آزادی کے طلب گار تھے، وہ بھی ان جنگوں میں شریک ہوئے۔یہ لوگ جن جن ملکوں سے گزرے وہاں انہوں نے مسلمانوں اور مسیحی آبادیوں پر قتل

وغارت کا بازار گرم کیا۔ ان کے غاصبانہ حملے کا نشانہ صرف وہ مسلم حکومتیں ہی نہیں بنی جو شام، فلسطین، مصر، اور تیونس میں قائم تھیں بلکہ بازنطین کی مسیحی سلطنت بھی زد میں آئی۔ بحیرہ روم کے مشرق میں جہاں جہاں انہوں نے فتح کے جھنڈے گاڑے وہ زیادہ عرصینہیں لہرائے اور مسلمانوں نے انہیں وہاں سے بے دخل کر دیا۔

4۔تیس سالہ جنگ (1618-1648) کل یورپی جنگ جس کی جڑ پروٹسٹنٹوں اور کیتھولکوں کا جھگڑا تھا۔ یہ لڑائی خاص طور پر جرمنی میں لڑی گئی اور وہ غیر ملکوں کی لوٹ کھسوٹ اور جنگی قبضوں کا شکار بنا۔ 1648 میں ویسٹ فالیائی معاہدہ امن ہونے کے ساتھ اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ معاہدے نے جرمنی کے سیاسی طور پر غیر متحد ہونے پر مہر لگا دی۔

5۔ یہاں مراد ہے جرمن قوم کی مقدس سلطنت روما جس کی بنیاد 962 عیسوی میں رکھی گئی تھی اور جرمن علاقوں کے علاوہ اٹلی کا بھی کچھ حصہ اس میں شامل تھا۔ بعد میں فرانس کے کچھ علاقے، بوہیمیا، آسٹریا، نیدرلینڈ، سوئٹزرلینڈ اور دوسرے ملک کے بھی اسی میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ سلطنت کوئی مرکزیت والی سلطنت نہ تھی۔ یہ چند راجواڑوں کی اور آزاد شہریوں کی ملی جلی اور ڈھیلی ڈھالی یونین تھی جو سلطنت کے صرف اختیار اعلیٰ صرف اختیار اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ 962 سے 1806 تک قائم رہی۔ آخر جب فرانس کے مقابلے میں جرمنی کو شکست ہوئی تو ہیسبرگ مقدس سلطنت روما کے شہنشاہ کا خطاب چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

بریسلاول میں مقیم بورگیس کے نام

اینگلز کا خط (۱)

(آج کل اس شہر کا نام ورتسلاف ہے۔)

لندن،

25 جنوری 1894

عزیز من!

یہ رہا آپ کے سوالوں کا جواب:

1۔معاشی تعلقات کا، جنہیں ہم سماج کی تاریخ کی قطعی بنیاد خیال کرتے ہیں، ہم وہ طور طریقہ سمجھتے ہیں جس سے

کسی معین سماج میں لوگ اپنے گذر بسر کے ذرائع پیدا کرتے ہیں اور آپس میں پیداوار کا تبادلہ (جہاں تک کہ محنت کی تقسیم ہوتی ہے) کرتے ہیں۔ اس طرح اس میں پیداوار اور ٹرانسپورٹ کی پوری ٹکنیک آجاتی ہے۔ ہمارے نظریئے کے مطابق یہ ٹکنیک تبادلے کے طور طریقے کا بھی تعین کرتی ہے اور آگے چل کر پیداوار کی تقسیم کا بھی اور اس کے ساتھ ہی، قبائلی سماج ختم ہونے کے بعد، طبقات کی تقسیم کا اور اسی لئے ملکیت اور غلامی کے تعلقات کا اور ان کے ساتھ ریاست، سیاست اور قانون وغیرہ کا تعین کرتی ہے۔ علاوہ بریں معاشی تعلقات میں وہ جغرافیائی بنیاد شامل ہے جس پر یہ تعلقات کارفرما ہوتے ہیں معاشی ارتقا کی ابتدائی منازل کی وہ باقیات جو درحقیقت منتقل ہو کر آج تک آئی ہیں اور زیادہ تر روایت یا جمود کی وجہ سے زندہ رہ گئی ہیں۔ ان معاشی تعلقات میں خارجی ماحول بھی شامل ہے جو اس طرح کے سماج پر محیط ہے۔

آپ کے خیال کے مطابق، اگر ٹکنیک کا بڑی حد تک انحصار سائنس کی حالت پر ہے تو سائنس کا اس سے کہیں زیادہ انحصار ٹکنیک کی حالت اور ضروریات پر ہے۔ اگر سماج کو کوئی ٹکنیکی ضرورت ہوتی ہے تو وہ سائنس کو دس یونیورسٹیوں سے زیادہ آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔ سکون سیالات (hydrostatics) کی پوری سائنس (توری چیلی وغیرہ) سولہویں اور سترہویں صدی میں اٹلی کی پہاڑی ندیوں کو قابو میں لانے کی ضرورت سے ہی پیدا ہوئی۔ برقی قوت کے ٹکنیکی استعمال کے بارے میں دریافت کے بعد ہی ہم نے اس کے متعلق ساری معقول باتیں کی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے جرمنی میں سائنسوں کی تاریخ کے بارے میں اس طرح لکھنے کا رواج ہو گیا جیسے وہ آسمان سے نازل ہوئی ہیں۔

2۔ ہم معاشی حالات کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ بالآخر تاریخی ارتقا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن نسل خود ایک معاشی عنصر ہے۔ بہرنوع یہاں دو نکتوں کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے:

(الف) سیاسی، قانونی، فلسفیانہ، مذہبی، ادبی اور فنی ترقی وغیرہ معاشی ترقی پر مبنی ہے۔ لیکن یہ سب ایک دوسرے پر اور ساتھ ہی معاشی بنیاد پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ معاشی صورت حال ہی واحد سبب ہو اور صرف وہی سرگرم عمل ہو جبکہ اور تمام چیزیں بے اثر ہوں بنا لیتی ہے ان چیزوں کا باہمی ردعمل ہوتا ہے۔ مثلاً ریاست حفاظتی محصولوں، آزاد تجارت، اچھے یا برے مالیاتی نظام کے ذریعے اپنا اثر جماتی ہے۔ حتیٰ کہ جرمن تنگ نظروں کی اس سخت بے حسی اور بے بسی نے بھی، جو 1648 سے لیکر 1830 تک جرمنی کی معاشی خراب حالی کی پیداوار تھیں اور جنہوں نے پہلے اپنا اظہار تقویٰ اور پارسائی (2) کی صورت میں کیا اور پھر جذباتیت اور راجوں اور نوابوں کی غلامانہ خوشامد میں، معیشیت پر اپنا اثر ڈالا۔ یہ بحالی کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تھی اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلی جب تک کہ انقلابی لڑائیوں اور نپولین کی جنگوں نے اس ناسوری غربت کو انتہائی شدید نہیں بنا دیا۔

چنانچہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ سادہ لوح لوگ تصور کر لیتے ہیں کہ معاشی صورت حال سے کوئی اثر خود بخود برآمد ہوتا ہے۔نہیں، لوگ اپنی تاریخ خود بناتے ہیں۔لیکن وہ ایسا کرتے ہیں اوران حقیقی تعلقات کی بنیاد پر جو موجود ہوتے ہیں۔ان حقیقی تعلقات میں معاشی تعلقات (ان پر دوسرے یعنی سیاسی اور نظریاتی تعلقات چاہے جتنا اثر انداز کیوں نہ ہوں) بالآخر فیصلہ کن ہوتے ہیں اور ارتقا میں یہ شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔اسی طرح صرف یہی ارتقا کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

(ب) لوگ اپنی تاریخ خود بناتے ہیں لیکن ابھی تک اجتماعی مرضی اور اجتماعی منصوبے کے مطابق اس کو نہیں کرتے حتیٰ کہ کسی واضح اور خاص طور پر محدود معینہ سماج میں بھی ایسا نہیں کرتے۔ان کی خواہشوں میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور اسی سبب سے ایسے سارے سماج ضرورت کی بن پر چلتے ہیں جس کا تکملہ اور ظاہری شکل اتفاق ہوتا ہے۔یہ ضرورت جو سارے اتفاقات کے بیچ سے اپنا راستہ بناتی ہے، آخر کار معاشی ضرورت ہی ہوتی ہے۔اور یہی وہ مقام ہے جہاں پر عظیم شخصیات کا تذکرہ ضروری ہو جاتا ہے۔یہ بات کہ فلاں یا فلاں شخصیت کسی خاص ملک میں ابھرتی ہے محض اتفاق کی بات ہے۔لیکن اگر اس شخصیت کو الگ کر دیا جائے تو اس کے مبادل کی مانگ ہوگی اور یہ مبادل، خواہ اچھا ہو یا برا، بہر حال وقت کے ساتھ ڈھونڈھ نکالا جائے گا۔فرانسیسی ریپبلک کو جو اپنی لڑائیوں سے خستہ حال ہو چکی تھی ایسے فوجی ڈکٹیٹر کی ضرورت تھی جیسا کہ اتفاق سے کورسیکا کا باشندہ نپولین تھا۔لیکن اگر نپولین نہ ہوتا تو اس کی جگہ کوئی اور لیتا۔اس بات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ جس آدمی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمیشہ مل جاتا ہے۔ مثلاً سیزر، آگسٹس اور کرومویل وغیرہ۔مارکس نے تاریخ کے مادی نظریے کی دریافت کی جبکہ تیئری، مینئے اور گیزو اور 1850 تک سارے انگریز مورخ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ اس کی تلاش شروع ہو چکی تھی اور مارگن نے اسی نظریے کی دریافت کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس کے لیے وقت آ چکا ہے اور اب اس کو دریافت ہونا ہی ہے۔

یہی صورت تاریخ کے دوسرے اتفاقات اور ظاہری اتفاقات کی ہے۔وہ معینہ شعبہ جس کی تحقیقات ہم کرتے ہیں معاشی شعبے سے جتنا زیادہ دور اور مجرد نظریاتی خیالات سے قریب ہو جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس کے ارتقا میں ہم اتفاقات پیش آتے ہوئے پائیں گے، اتنا ہی زیادہ اس کے خط میں اتار چڑھاؤ ملے گا۔لیکن اگر آپ اس خط کا اوسطی محور مقرر کریں تو آپ دیکھیں گے کہ زیر غور جتنی ہی طویل مدت اور جتنا ہی وسیع میدان ہوگا اتنا ہی زیادہ یہ محور معاشی ترقی کے محور کے متوازی ہوتا جائے گا۔

جرمنی میں صحیح ادراک کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ صاحبان ادب معاشی تاریخ کو غیر ذمہ دارانہ طور پر نظر انداز کر رہے ہیں۔تاریخ کے جو خیالات اسکول میں آدمی کے دماغ میں بٹھائے جاتے ہیں ان

سے نہ صرف چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے بلکہ ایسا کرنے کے لیے زیادہ ضروری مواد اپنانا اس سے بھی مشکل ہے۔مثلاً شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے کم از کم بوڑھے فان گولیچ کو پڑھا ہو جن کا جمع کیا ہوا خشک مواد (3) بہر حال بے شمار سیاسی واقعات کی وضاحت کے لیے بہت کچھ رکھتا ہے۔

باقی باتوں کے لیے، میرے خیال میں مارکس نے "اٹھارہویں برومیئر" (اس سلسلے کے حصہ اول میں صفحات میں جو عمدہ مثال پیش کی ہے آپ کے سوالوں کے لیے کافی معلومات کا باعث ہوگی کیونکہ یہ عملی مثال ہے۔میں نے بھی اپنے خیال میں زیادہ تر نکات پر "اینٹی ڈیورنگ" (پہلا حصہ، 11۔9 باب، دوسرا حصہ، 4-2 باب، تیسرا حصہ، پہلا باب اور مقدمے میں) میں اور "فائر باخ" کے آخری حصے میں روشنی ڈالی ہے۔

مہربانی کر کے مندرجہ بالا تحریر کے ہر لفظ پر بہت باریکی سے دھیان نہ دیجیے بلکہ عام نقطہ نظر کو دھیان میں رکھیے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس کو زیادہ تفصیل سے لکھنے کے لیے وقت نہیں ہے جیسا کہ اشاعت کے لیے کرنا پڑتا ہے...

پہلی بار رسالہ AkademikerDer Sozialische کے شمارے 20(1890) میں شائع شدہ۔
رسالے کے مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

نوٹس

1۔ یہ خط پہلے کسی مکتوب الیہ کے ذکر کے بغیر رسالہ Der sozialistische Akademider کے شمارے 20، سال 1890 میں اژٹار کین بورگ نے شائع کرایا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد کے ایڈیشنوں میں اسی کو غلطی سے مکتوب الیہ سمجھ لیا گیا۔

2۔تقویٰ اور پارسائی۔ یہاں پٹا ازم کا ذکر ہے۔لاطینی لفظ pietas، جس کا مطلب ہے دیندار، متقی، پرہیز گار۔ سترہویں اور اٹھارویں صدی کے پہلے نصف میں مغربی یورپ (پہلے جرمنی اور نیدرلینڈ) کے پروٹسٹنٹوں کی مذہبی ___ صوفی تحریک کے ممبر۔ یہ کوئی خاص فرقہ نہیں تھا بلکہ رجعت پسند تحریک تھی جو عقلیت Rationalism اور روشن خیالی پھیلانے والے فلسفے کا مخالف تھی۔

3۔ یہاں بہت سی جلدوں پر مشتمل گولیچ کی تصنیف

Geschichtliche Darstellung des Handels der Gewerbe und des Ackerbaus der bedeutendsten handeltreibenden staaten unserer Zeit

(زمانے کی انتہائی اہم تجارتی ریاستوں کی تجارت،صنعت اور زراعت کا تاریخی احوال) یہ کتاب 1830 اور 1845 کے درمیان شائع ہوئی۔

---

marxists.org

Urdu Section

اس خطوط کو مارکسسٹس انٹرنیٹ آرکائیو کے لیے ابن حسن نے ترتیب دیا۔

کمپوزنگ: نوید، ابن حسن

نظرثانی ترجمہ: ابن حسن

اپنی رائے اور تجاویز کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

hasan@marxists.org